کلامِ شبلی

یعنی

جناب شمس العلما مولانا شبلی نعمانی کی نظموں کا گنجینہ اور تاریخی واقعات کا آئینہ

URDU

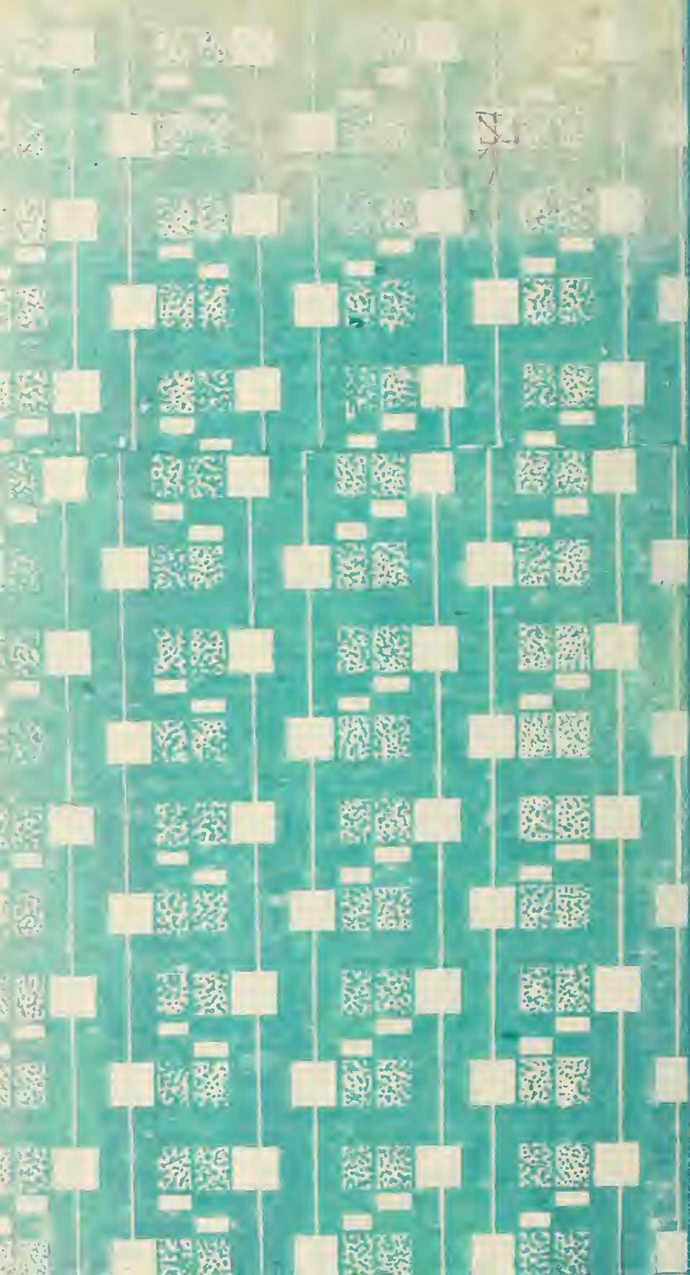

PK 2199 S5A17 1920

Shibli Nu'mani, Muhammad
Majmu'ah kalam-i Shibli

PLEASE DO NOT REMOVE
CARDS OR SLIPS FROM THIS POCKET

UNIVERSITY OF TORONTO LIBRARY

Rs
6/-

Shiblī Nuʻmānī,
Muhammad

Majmūʻah
Kalām-i Shiblī

UNIVERSITY OF TORONTO
AUG 19 1970
LIBRARY

PK
2199
S5A17
1920

مجموعہ

کلامِ شبلی

یعنی

جناب شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی کی نظموں کا گنجینہ اور تاریخی واقعات کا آئینہ

مرغوب ایجنسی لاہور

کے لئے

کریمی پریس لاہور میں چھپا اور لاہور سے شائع ہوا

قیمت

Supplied by
MINAR BOOK AGENCY
Exporters of Books & Periodicals
204, Ghadialy Building, Saddar

یادگارِ حسینؓ

اس جامع کتاب میں مرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے سیدالشہدا حضرت امام حسینؓ کی خدا پرستی۔ رضا جوئی۔ صبر اور استقامت پر ہی فلسفیانہ بحث نہیں کی بلکہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت اور حقیقت کے مقناطیسی اثر کو بھی نہایت خوش اسلوبی سے ثابت کیا ہے۔ مرزا صاحب موصوف نے واقعۂ کربلا کو جس طرح بیان کیا ہے اسکی نظیر بہت کم ملتی ہے مصنّف نے غیر مسلم تاریخدانوں کے خیالات کو قلمبند کر کے واقعۂ کربلا کی اصلیّت اور سچائی پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب واقعۂ کربلا کا صحیح فوٹو ہے جو نہایت موثر اور رلا دینے والے الفاظ میں کھینچا گیا ہے قیمت ۱۰/

ملنے کا پتہ: مرغوب ایجنسی لاہور (چوک متی)

Maulana " Shibli "

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	فوٹو مولینا شبلی و سوانح شبلی نعمانی	۱
۲	عدل جہانگیری	۱۳
۳	خلافت فاروقی	۱۷
۴	مساوات اسلام	۲۰
۵	عدل فاروقی کا واقعہ	۲۳
۶	اظہار و قبول حق	۲۶
۷	آنحضرت کی غربا نوازی	۲۷
۸	ایثار کی اعلیٰ ترین نظیر	۲۹
۹	ہجرت نبوی	۳۱
۱۰	رسول خدا کا حلم	۳۴
۱۱	تعمیر مسجد نبوی	۳۶
۱۲	ہمارا طرز حکومت	۳۸
۱۳	اسلامی نظام	۴۰
۱۴	انصاف عمر رضؓ	۴۱
۱۵	تجزیہ و تفرقہ	۴۲
۱۶	تنزل اسلام کا سبب	۴۳
۱۷	جرات صداقت	۴۷
۱۸	تشغل تکفیر	۴۹
۱۹	مذہب یا سیاست	۵۰
۲۰	احرار، قوم و طفل سیاست	۵۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۱	منکرے بودن وہم رنگ مستاں زیستن	۵۵
۲۲	خطاب بحضور وائسرائے	۵۷
۲۳	سادگی	۵۸
۲۴	جنگ زرگری	۵۹
۲۵	خطاب بہ احرار	۶۴
۲۶	جزر و مد	۶۵
۲۷	تماشائے عبرت	۶۷
۲۸	مسلم لیگ	۷۳
۲۹	سوٹ ایبل سلف گورنمنٹ	۷۵
۳۰	مسلم لیگ	۷۷
۳۱	لیگ معہ سوٹ ایبل	۸۰
۳۲	رائٹ آنریبل سید امیر علی سے خطاب	۸۳
۳۳	مسلم لیگ	۸۴
۳۴	مسئلۂ الحاق	۸۶
۳۵	یونیورسٹی اور الحاق	۸۷
۳۶	یونیورسٹی ڈیپوٹیشن	۸۸
۳۷	مسلم یونیورسٹی	۹۰
۳۸	یونیورسٹی	۹۳
۳۹	یونیورسٹی فونڈیشن	۹۶
۴۰	دعوت عمل	۹۹
۴۱	بربادی خانماں	۱۰۵
۴۲	غزلیات	۱۱۲
۴۳	متفرقات	۱۱۷
۴۴	نالۂ شبلی	۱۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوانح شبلی نعمانی

مغربی رموز شناسان علم طبیعات تحریر کرتے ہیں کہ مختلف عناصر کے تصادم اور متضاد اجرام مادیّہ کی ٹکر سے وہ برقِ خاطف پیدا ہوتی ہے جو اپنے شرارہ فگن غمزوں سے شہیدانِ ذوق کو مرغِ بسمل کی طرح تڑپاتی ہے۔ اور اپنی چشمکِ ناز سے فریب خوردہ دلوں کو پرچاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ عقل کی عقل سے ٹکر اور تمدن کا تمدن سے مقابلہ اس سے تیز تر بجلی پیدا کرتے ہیں جس کے درخشندہ لمعات پر خرّموسےٰ صعقاً کی کئی روشن آیات ضو فشانی کرتی ہیں +

قرنِ وسطیٰ میں یونانی عقل و نقل کی جب مذہب اسلام سے پہلی

چپقلش ہوئی تو ادھر تو ابن عطا اور خلدون کی برق ظلمت سوز نمودار ہوئی اور ادھر امام غزالی اور ابن رشد کی تجلی غارت گرِ باطل پیدا ہوئی اسی اصول سے جرمنی میں لیوتھر پیدا ہوا۔ اٹلی میں کیپلر اور کوپرنکیس اور جب موجودہ دور میں نئے فلسفے نے ہند میں رواج پایا تو شبلی بمثال شعلہ جاں ہستیاں پیدا ہوئیں۔

ابھی سلطنتِ مغلیہ کی شمع عالم آرا اپنا آخری جوبن دکھا رہی تھی۔ اور اپنے دلدادوں کی جدائی پر آٹھ آٹھ آنسو بہا رہی تھی۔ شبِ عیش کے سر سے بادۂ عشرت کا خمار اتر رہا تھا۔ ہندوستان کا آسمان سحاب ارغوانی سے لالہ پوش تھا۔ اور ہر رگِ خون کے عنابی فوارے کی دھار سے گردونِ کہن سال رنگیں قبا تھا عذر کی پھلجھڑیوں سے دامن فلک آتش اندوز تھا۔ یا خونِ خلائق کی سرخی سے آسمان کے ماتھے پر قشقہ کھینچ گیا تھا۔ یا اس خورشید علم و ادب کی آمد میں شفق خونیں رنگ پھول رہی تھی۔ جو بندول کے قصبے میں جلوہ فگن ہوا۔ اور اپنے رخ پرنور سے ظلمت کدۂ ہند کو روشن کر گیا یعنی وہ شبلی پیدا ہوا جو ابوالفضل بھی تھا فیضی بھی اصمعی بھی تھا

غزالی بھی جس کی آمد پر اگر آسمان سے لعل ومن برسے تو زمین میں یاقوتِ آتشیں چمکے +

مولانا ۱۸۵۷ء کے پر آشوب ایام میں بندول کے قصبے میں جو اعظم گڈھ کے ضلع میں ہے پیدا ہوئے۔ آپکا گھرانا بڑا باعزت اور صاحبِ ثروت تھا۔ ابتداءً والدین کی نگرانی میں تعلیم وتربیت شروع ہوئی اور مولوی شکر اللہ صاحب نامی سے پہلا سبق پڑھا۔ فارسی لمعات نے گوہر جان کو تابندہ کیا اور پہلے اسی کے دُرِ ثمین کو آویزۂ گوش بنایا پھر عربی کی چاشنی کی طرف لپکے اور اس شرابِ طہور کی خاطر غازی پور کے چشمۂ شیریں پر پہنچے اور مولوی محمد فاروق سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ مولانا غازی پور کے مدرسے کے صدر رہتے۔ اور مولانا عنایت الرسول چڑیاکوٹی کے برادر کو چک کچھ عرصہ رہکر فلسفہ اور ادب کے اس آخری گل رعنا کی بھینی بھینی خوشبو سے مشامِ جان کو عطرآگیں بنایا۔ مولانا کو اپنے شاگرد سے نہایت ہی محبت تھی۔ چنانچہ اپنے آپ کو شیر اور شاگرد کو بچہ شیر کہا کرتے چنانچہ ایک موقعہ پر فرمایا اَنَا اَسَدٌ وَاَنتَ شِبلِی شاگرد کو ہر مناظرہ میں

ساتھ رکھتے اور حریف سے دو چار جھپیٹ دیکھکر خوش ہوتے رہیں کے بعد مولانا شبلی رام پور تشریف لے گئے۔ اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کے آستانِ پاک پر جبین عجز کو گھسایا۔ اور بیت العلوم کی خاک کو آنکھوں کا کاجل بنایا۔ بھلا مولانا محمد فاروق کے پروردۂ علم و فضل کو یہاں کیا زیادہ مل سکتا تھا۔ کوئی گوہر نظر نہ آیا کہ جس کی خواہش میں نقدِ جان کو قربان کر دیتے۔ خیر مولانا ارشاد حسین سے فقہ کی چند کتابیں پڑھ لیں۔

بعدازاں ادب کی تکمیل کے لئے لاہور روانہ ہوئے اور مولوی فیض الحسن کے درِ دولت پر صدا دی مولوی فیض الحسن کی فضیلت کا آوازہ چار دانگ عالم میں تھا۔ آپ اس وقت علم اللسان کے تنہا جوہری تھے۔ عاشقِ علوم کو یہ موقع غنیمت تھا۔ مولانا سے حماسہ کا درس لیا۔

وہاں سے روانہ ہوئے اور سہارنپور کے شاداب خطے میں پہنچے۔ اور مولوی احمد علی کے اباد و حدیث کو زیب بر بنایا۔ اس سادہ منش انسان سے سادگی طرز کا وہ سبق سیکھا کہ تا دمِ زیست

استاد کے نام کو زینت صفت و ثنا کے کلمات سے سجایا کرے۔

ابھی ترمذی کا درس جاری تھا کہ اعزہ و احباب عازمِ حج ہوئے۔ عاشق رسول نے سوچا کیا خوب ہو اگر ؎

رُوئے بکوئے حرم و سر بر آستاں فگنی　　غبار خاکِ رہش توتیائے دیدہ کنی

عالی مرتبہ استاد سے اجازت طلب کی۔ کاروانِ حج کو روانہ ہوا فریضۂ حج ادا کیا۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ پہنچے۔ دربارِ رسول صلعم میں داخل ہوئے اور عاشقانہ حالت میں ایک قصیدہ اور فارسی قطعہ انشا فرمایا۔ دینی و دنیوی شہرت کو انعام میں پایا چونکہ مولانا محمد فارق کی تعلیم آپ میں اثر کر چکی تھی۔ دورانِ قیام مدینہ میں حنفیت کی کتب کا خاص طور سے مطالع فرمایا۔

اب آپکی زندگی کا پہلا دور ختم ہو چکا تھا۔ اس وقت آپکی عمر بیس برس کی تھی۔ دوسرا دور شروع ہوا۔ دل میں ایک شرارہ تھا جو بھڑک اُٹھا۔ شعر و شاعری کا چسکا لگا۔ لکھنؤ اور دیگر اطراف واکناف کے بزرگوار موجود تھے۔ مشاعرے ہوتے تھے۔ فطری شاعری کو خوب موقعہ ملا۔ بڑی دلچسپی ظاہر کی کئی دفعہ مسندِ صدارت کو

زینت بخشی۔ اور انہیں دنوں غیر مقلدوں کے خلاف چند رسائل بھی لکھ ڈالے۔ ابھی سلسلۂ تعلیم جاری تھا کہ کسبِ معاش کا خیال ہوا۔ زمینداری کا کام سپرد ہوا۔ مگر کتاب کا دھنی اس سے عہدہ برآ نہ ہوسکا۔ لاچار وکالت کی طرف باگ پھیری اور آبائی پیشے کو نیک خیال کیا وکالت کا امتحان پاس کیا مگر قانون میں طبیعت نہ چلی۔ دونوں کو واسطہ ہی کیا تھا۔ وکالت چھوڑ ملازمت اختیار کی۔ یہاں بھی کٹھن منزلوں سے گھبرا گئے وہ بیہودہ چکر لگانے سے تنگ آ گئے۔ آخر اس سے بھی دل کھٹا ہوا ہاتفِ غیب نے صدا دی کہ شبلی تو تو کسی اور کام کے لئے پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ مطالعۂ کتب شروع ہوا اور بلبلِ خیال نے شاخِ کہن پر آشیاں بنایا۔ چند قصائد اور رسائل تحریر کئے جو مقبولِ عام ہوئے رسئین الاسلام زیر مطالعہ تھی۔ کہ اپنے بھائی مہدی سے علی گڈہ ملنے گئے۔ آپ کی عمر کے اس وقت ۲۵ سال گذر چکے تھے۔ وہاں سر سید کے بوڑھے غمزوں نے ایسا پھانسا کہ عسلِ مصفّا سے مگسِ انگبین کا چھٹنا محال ہوگیا۔ رمز شناس

پیرِ مرد تاڑ گیا کہ نوجوان کے سینے میں بہت سے لعلِ درخشاں مدفون ہیں۔ جنکی تاب سے ناصیہ عزّہ چمک رہا ہے۔ سرسیّد کے کہنے پر عربی اور فارسی کے پروفیسر مقرر ہو گئے اور اسی جگہ مولانا حالی سے بھی شرفِ ملاقات حاصل کیا۔

سپینِ الاسلام کا نقشہ آنکھوں میں بس رہا تھا۔ قومی درد تیز ہوا اور دل کا درد چند تاریخی رسائل اور قومی نظموں میں نکلا جنمیں الجزیہ اور کتب خانۂ اسکندریہ قابلِ غور ہیں۔ مثنوی صبحِ امید نے یاس بھری جانوں کو امید کا پانی پلایا۔ تاریخ کا ابرِ مطیر تُلا کھڑا تھا۔ کبھی چاہتا تھا کہ بلادِ اسلامیہ کے چھینٹوں سے تر کر کے یا تاریخ بنی الآیاس کے تقاطر سے بھگو دے۔ آخر چاہا کہ نامورانِ اسلام کے موسلا دھار مینہ سے جل تھل کر دے۔ المامون کا پہلا قطرہ ٹپکا۔ صدفِ عالم نے گوہرِ نایاب کو آغوشِ شوق میں لیا اور سنبھال کر رکھا۔ اس کے بعد کانفرنس میں رسائل لکھ کر روانہ کئے۔ جو آج تک رسائلِ شبلی کے نام سے مشہور ہیں۔

سیرۃ النعمان کا خیال گذرا شبدیز قلم رہ سپر ہوا۔ اور منزل مقصود پر جاکر دم لیا۔ الفاروق کا خیال دامنگیر تھا۔ کہ بلاد اسلامیہ کا سفر درپیش ہوا۔ ارنلڈ صاحب کی معیت میں قسطنطنیہ پہنچے۔ وہاں سے ایشیاے کوچک اور شام ہوتے ہوئے مصر آئے حقیقت میں آنکھ نے جن جن عجائبات کی سیر کی تھی خامۂ مُصور نے انکا پُورا پُورا فوٹو سفرنامہ میں پیش کردکھایا۔ چھ مہینے کے سفر کے بعد سنہ ۱۸۹۳ء میں علی گڈھ پہنچے ایک قصیدہ پڑھا جسکا آغاز اس طرح ہے ؎

قاصد خوشخبر امروز نواساز آمد | کز سفر بار سفر کردہ ما باز آمد
از سفر شبلی آزادہ بہ کالج برسید | یا مگر بلبل شیراز بہ شیراز آمد
دوستاں مژدہ کہ آن بلبل خوش لہجہ دگر | اندریں تازہ چمن زمزمہ پرداز آمد

سفر میں سلطان ٹرکی نے تمغہ مجیدیہ عنایت فرمایا سنہ ۱۸۹۴ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے ممبر مقرر ہوئے۔ کالج کی زندگی سے تھک گئے۔ کئی بار استعفا دیا مگر بیک صاحب نے نامنظور فرمایا۔ آخر سنہ ۱۸۹۴ء میں کالج سے علیحدہ ہو گئے۔ وہاں سے اعظم گڈھ

روانہ ہوئے۔ مگر علالتِ طبع نے تبیین نہ لینے دیا۔ کشمیر روانہ ہوئے۔ الفاروق زیر تالیف تھی۔ بیماری نے اتنا زور پکڑا کہ قلم اُٹھانا بھی دوبھر ہوگیا۔ خدا خدا کرکے صحت کے آثار ظاہر ہوئے مولانا حالی نے ایک تہنیت نامہ ارسال کیا جس کا مطلع ذیل ہے ؎

للہ الحمد پس از ناخوشی رنج دراز   شبلی ما بمراد از سر بالیں برخاست

الفاروق کے چھپتے ہی آپکی تاریخ دانی کا سکہ عالم پر بیٹھ گیا تھوڑے عرصہ بعد مولانا سید علی بلگرامی کے ایماسے حیدر آباد کی نظامتِ علوم وفنون قبول فرمائی۔ اور جنوبی ہندوستان کی تنہا تصویر سوز وساز وشمع جانگداز پر پروانہ صفت جا پہنچے۔ اس جگہ مولانا کے قلم سے۔ الغزالی۔ سوانح رومی۔ علم الکلام۔ الکلام۔ موازنۂ انیس و دبیر کی نازک بدن۔ پُتلیاں رقصاں اور خنداں نکلیں اور بڑے ناز سے محفل اُردو میں داخل ہوئیں۔ انہیں ایام میں امیر عبدالرحمان خاں والی دولت خداداد افغانستان نے ایک محکمۂ تراجم قائم کیا اور مولانا سے درخواست کی کہ

تشریف لائیں۔ لیکن مولانا نے جانے سے انکار کر دیا۔
سنہ ۱۹۰۴ء سے آپکا تعلق ندوہ سے ہوگیا۔ ندوہ کا خیال مولوی محمد علی کانپوری اور دیگر ارباب ذکا کی تیزی طبع کا نتیجہ ہے۔ اس خیال سے کہ علما کی اصلاح۔ اسلام کی اصلاح ہے۔ آپ فوراً دوسرے جلسے میں شریک ہوگئے۔ اور ایک اعلےٰ پائے پر اسکی اسکیم مرتب کی۔ ندوہ کی خدمات محتاج بیان نہیں۔ اس موقع پر مولانا نے پختہ فصل کے پختہ میوے پیش کیے۔ شعر العجم۔ مقالات شبلی۔ مضامین عالمگیر۔ دیوان فارسی نے اپنی حلاوت سے کام جہاں کو شیریں بنایا۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں اڈنبرا مسلم سوسائٹی کے صدر مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں خسروِ دکن نے اپنا وظیفہ سو روپیہ کی بجائے تین سو روپیہ ماہوار مقرر فرمایا۔ ان ایام میں ملکی معاملات میں گہری دلچسپی ظاہر کی۔ اور نیشنل کانفرنس میں شریک ہوئے۔
قانون وقف علی الاولاد کے معاملہ کو پریوی کونسل تک پہنچایا۔ اشاعت اسلام کی ایک عظیم الشان اسکیم تیار کی مگر ناکام رہے۔ سلطان ٹرکی کی طرف سے آپکا نام نامی مدینہ یونیورسٹی کے

واضعین نصاب میں داخل کیا گیا۔ اسی اثنا میں کاروبار کی زیادتی سے طبیعت کسل مند ہوگئی۔

ابھی ایک چنگاری گوشۂ دل میں مستور تھی جس کی حرارت سے دردمند دل کو رشکِ طور ہوتا تھا۔ پیارے نبی کے پیارے حالات لکھنے شروع کئے اور سیرۃ النبوی کی پہلی جلد چھپکر تیار ہوئی۔ ابھی مرغِ جان چیدہ چیدہ ذراتِ زریں چن ہی رہا تھا۔ کہ فرشتۂ غیب نے آواز دی۔ بس شبلی۔ خرمن سے دانہ اور سمندر سے قطرہ ہی عقلمندوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔ تو بھلا ان ان گنت موتیوں کو کس طرح جمع کرسکتا ہے۔ جس نور کی یہ کرنیں ہیں اُس نور کے دیکھنے کی تمنا ہے تو چل میرے ساتھ چل۔ عاشق جان روانہ ہوئی۔ ۱۸۔ نومبر ۱۹۱۴ء کو دنیا کو چھوڑا اور بہشت کو آباد کیا۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

منتظر آنکھیں سیرۃ کی تکمیل دیکھتی رہ گئیں۔

اشکِ پیہم سے دامانِ عالم تر ہوا۔ شبلی کی وفات سے دنیا میں کہرام مچگیا۔ ہندوستان۔ مصر۔ جرمن۔ انگلستان

ہیں ماتم ہوا۔ کسی نے کہا۔ کہ تاریخ کا تنہا جوہری چل بسا۔ تاریخ شاعری کا موجد کوچ کر گیا۔ علم کلام کا عقاب آشیان تحقیق خالی چھوڑ گیا۔ انشا پردازی کا شہسوار غائب ہو گیا۔ نہیں! وہ آفتاب جو ہنگامہ مشرق[1] کی سرخی میں نمودار ہوا تھا محاربہ مغرب[2] کی لالہ کاری میں غروب ہو گیا ÷

غلام عباس۔ ایم۔ اے

کلامِ شبلی

عدلِ جہانگیری

قصرِ شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گزر،
ایک دن، نورجہاں، بام پہ تھی جلوہ فگن،
کوئی شامت زدہ رہگیر اُدھر آ نکلا
گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن،
غیرتِ حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا
خاک پر ڈھیر تھا اک کشتۂ بے گور و کفن،
ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہنچی جو خبر
غیظ سے آ گئے ابروئے عدالت پہ شکن
حکم بھیجا کہ کنیزانِ شبستانِ شہی،

جا کے پُوچھ آئیں کہ سچ یا کہ غلط ہے یہ سخن
نخوتِ حُسن سے بیگم نے بصد ناز کہا
"میری جانب سے کرو عرض یہ آئینِ حُسن"
ہاں! مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں
مجھ سے ناموسِ حیا نے یہ کہا تھا کہ بزن
اُس کی گستاخ نگاہی نے کیا اس کو ہلاک
کشورِ حُسن میں جاری ہے یہی شرعِ کہن
مفتیِ دیں سے جہانگیر نے فتوےٰ پوچھا
کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن
مفتیِ دیں نے یہ بےخوف و خطر صاف کہا
شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اُڑا دو گردن،
لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اُٹھے

پر جہانگیر کی ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن،
ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جاکر،
پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن
پھر اسی طرح اُسے کھینچ کے باہر لائیں
اور جلاد کو دیں حکم کہ ہاں تیغ بزن،
• یہ وہی نور جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی
تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہِ زمن
اس کی پیشانیٔ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ
جاکے بن جاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن
اب نہ وہ نور جہاں ہے نہ وہ اندازِ غرور
نہ وہ غمزے ہیں، نہ وہ عربدۂ صبر شکن!
اب وہی پاؤں ہر اک گام پہ تھراتے تھے،

جن کی رفتار سے پامال تھے مُرغانِ چمن،

ایک مجرم ہے کہ جن کا کوئی حامی نہ شفیع
ایک بیکس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن

خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام،
خوں بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امرِ حسن

مُفتیٔ شرع سے پھر شاہ نے فتوے پُوچھا
بولے جائز ہے رضامند ہوں گر بچہ و زن

وارثوں کو جو دئے لاکھ درم "بیگم" نے
سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہِ زمن!

ہم کو مقتُول کا لیتا نہیں منظور قصاص!
قتل کا حکم جو رُک جائے تو ہے مستحسن

ہو چکا جبکہ شہنشاہ کو پُورا یہ یقیں،

کہ نہیں اس میں کوئی شائبۂ حیلہ و فن
اُٹھ کے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم
تھی جہاں نورجہاں معتکفِ بیتِ حزن،
دفعتاً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا
"تو اگر کشتہ شدی آہ چہ میکردم من"

خلافتِ فاروقی

عام الرّمادہ کہتے ہیں جس کو عرب میں لوگ
عہدِ خلافتِ عمری کا وہ سال تھا،
اُس سال قحط عام تھا ایسا کہ ملک میں
لوگوں کو بھوک پیاس سے جینا محال تھا
پانی کی ایک بوند نہ ٹپکی تھی ابر سے
ہر خاص و عام سخت پراگندہ حال تھا
اعراب کی بسر حشرات زمیں پہ تھی

سب اُٹھ گیا جو فرق حرام و حلال تھا
تشویش سب سے بڑھ کے جنابِ عمرؓ کو تھی
ہر دم اسی کی فکر۔ اسی کا خیال تھا
تدبیر لاکھ کی تھی مگر رُک سکا۔ نہ قحط
گو انتظامِ ملک میں اُن کو کمال تھا
معمول تھا جنابِ عمرؓ کا۔ کہ متصل
کرتے تھے گشت۔ رات کو۔ سونا محال تھا
اک دن کا واقعہ ہے کہ پہنچے جو دشت میں
کوسوں تلک زمین پہ خیموں کا جال تھا
بچے کئی تھے ایک ضعیفہ کی گود میں،
جن میں کوئی بڑا تھا۔ کوئی خُرد سال تھا
دیکھا جو اُس کو یہ کہ پکاتی ہے کوئی چیز
جاتا رہا جو طبع حزیں پر۔ ملال تھا،
سمجھے کہ اب وہ ملک کی حالت نہیں رہی
کم ہو چلا ہے قحط کا جو اشتعال تھا

پوچھا خود اُس سے جاکے تو رونے لگی کہ آہ
کیا آپ کو غذا کا بھی یاں احتمال تھا
بچے یہ تین دن سے تڑپتے ہیں خاک پر
میں کیا کہوں زبان سے جو اِن کا حال تھا
مجبور ہو کے اُن کے بہلنے کیواسطے
پانی چڑھا دیا ہے، یہ اُس کا اُبال تھا
ان سے یہ کہہ دیا ہے کہ اب مطمئن رہو
کھانا یہ پک رہا ہے۔ اسی کا خیال تھا
بے اختیار رونے لگے حضرتِ عمرؓ
بولے کہ یہ مرے ہی کئے کا وبال تھا
جو کچھ کہ ہے یہ سب ہے مری شامتِ عمل
از بس گناہگار مرا بال، بال، تھا
بازار جا کے لائے سب اسباب آب و نان
جو زخم قحط کا سبب اندمال تھا
چولہے کے پاس بیٹھ کے خود پھونکتے تھے آگ

چہرہ تمام آگ کی گرمی سے لال تھا
بچوں نے پیٹ بھر کے جو کھایا تو کھل اٹھے
ایک ایک اتو فرطِ خوشی سے نہال تھا
تھی وہ زنِ ضعیف سراپا زبانِ شکر
یاں حضرتِ عمر کو وہی انفعال تھا۔
عہدہ عمر کو یہ جو ملا۔ تجھ سے چھین کر
جو کچھ گذر رہا ہے یہ اُس کا وبال تھا

مساواتِ اسلام

بدر میں معرکہ آرا جو ہوا لشکر کفر
عتبۂ ابنِ ربیعہ تھا امیر العسکر
سب سے پہلے وہی میداں میں بڑھا تیغ بکف
ساتھ اک بھائی تھا اور بھائی کے پہلو میں پسر
اس طرح اُسنے مبارز طلبی کی۔ پہلے

مردِ میداں کوئی تم میں ہو تو نکلے باہر
سُنکے یہ لشکرِ اسلام سے نکلے بہم
تین جانباز کہ ایک ایک تھا اس کا ہمسر
سامنے آئے جو یہ لوگ تو عتبہ نے کہا،
کس قبیلہ سے ہو گیا ہے نسب جدِّ پدر؟
بولے، ہم وہ ہیں کہ ہے نام ہمارا انصار
ہم ہیں شیدائی اسلام ہے ہر فرد بشر
جاں نثارانِ رسولِ عربی ہیں ہم لوگ
اک اشارہ ہو تو ہم کاٹکے رکھدیتے ہیں سر
بولا عتبہ، کہ بجا کہتے ہو - جو کہتے ہو،
مگر افسوس کہ معذور ہے اولادِ مضر
تم سے لڑنا تو ہمارے لئے ہے مایۂ عار
کہ نہیں تیغ قریشی کے سزاوار یہ سر
کہہ کے یہ سرورِ عالم سے کیا اُسنے خطاب
اے محمدؐ! یہ نہیں شیوۂ اربابِ ہنر

جنگ تا جنس سے معذور ہیں ہم آلِ قریش
بھیج انکو جو ہوں رتبے میں ہمارے ہمسر

آپ کے حکم سے انصار پھر آئے صف میں
حمزہؓ و حیدرِ کرار نے لی تیغ و سپر

اُن سے عتبہ نے جو پوچھا نسب و نام و نشاں
بولے یہ لوگ کہ ہاشم کے ہیں ہم لختِ جگر

بولا عتبہ کہ نہیں جنگ سے اب ہم کو گریز
آؤ اب تیغ قریشی کے دکھائیں جوہر

یا یہ حالت تھی کہ تلوار بھی تھی طالبِ کفو،
یا مساوات کا اسلام کے پھیلا یہ اثر،

بارگاہ نبوی کے جو موذن تھے، بلال،
کر چکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر

جب یہ چاہا کہ کریں عقد مدینے میں کہیں
جا کے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر،

میں غلامِ حبشی، اور حبشی زادہ بھی ہوں

یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں دولت و زر
ان فضائل پہ مجھے خواہش تزویج بھی ہے
ہے کوئی جس کو نہ ہو میری قرابت سے حذر
گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور
جس طرف اُس حبشی زادہ کی اُٹھتی تھی نظر
عہدِ فاروق میں جسدن کہ ہوئی اُنکی وفات
یہ کہا حضرت فاروق نے بادیدۂ تر،
اُٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا
اُٹھ گیا آج نقیبِ حشم پیغمبر

عدلِ فاروقی کا واقعہ

ایک دن حضرتِ فاروق نے منبر پہ کہا
میں تمہیں حکم جو کچھ دوں تو کروگے منظور
ایک نے اُٹھکے کہا یہ کہ "نہ مانینگے کبھی"

کہ ترے عدل میں ہم کو نظر آتا ہے فتور
چادریں مالِ غنیمت میں جو اب کے آئیں،
صحنِ مسجد میں وہ تقسیم ہوئیں سب کے حضور
اُن میں ہر ایک کے حصّہ میں فقط ایک آئی
تھا تمہارا بھی وہی حق کہ یہی ہے دستور
اب جو یہ جسم پہ تیرے نظر آتا ہے لباس
یہ اُسی لُوٹ کی چادر سے بنا ہوگا ضرور
مختصر تھی وہ ردا اور ترا قد ہے دراز
ایک چادر میں ترا جسم نہ ہوگا مستور
اپنے حصّے سے زیادہ جو لیا تو نے تو اب
تو خلافت کے نہ قابل ہے نہ ہم ہیں مامور
گرچہ وہ حدِ مناسب سے بڑھا جاتا تھا
سب کے سب مُہر بہ لب تھے یہ اناث و چہ ذکور
روک دے کوئی کسی کو، یہ نہ رکھتا تھا مجال
نشۂ عدل و مساوات میں سب تھے مخمور

اپنے فرزند سے فاروقِ معظم نے کہا
تم کو ہے حالتِ اصلی کی حقیقت پہ عبور
تم ہی دے سکتے ہو اس کا مری جانب سے جواب
کہ نہ پکڑے مجھے محشر میں مرا ربِّ غفور
بولے یہ ابن عمر سب سے مخاطب ہو کر
اس میں کچھ والدِ ماجد کا نہیں جرم و قصور
ایک چادر میں جو پورا نہ ہوا ان کا لباس
کر سکی اسکو گوارا نہ مری طبعِ غیور
اپنے حصہ کی بھی میں نے انہیں چادر دیدی
واقعہ کی یہ حقیقت ہے کہ جو تھی مستور
نکتہ چیں نے یہ کہا اُٹھکے کہ ہاں اے فاروق
حکم دے ہم کو کہ اب ہم اُسے مانینگے ضرور

اظہار و قبولِ حق

وارثِ عدلِ پیمبر عمرؓ ابن خطاب،
ہیچ تھی جنکے لیے منزلتِ تاج وسریر
مجمعِ عام میں لوگوں سے اُنھوں نے یہ کہا
"مہر باندھو نہ زیادہ کہ ہے یہ بھی تبذیر"
جسقدر تم کو ہو مقدور وہیں تک باندھو
حکم یہ عام ہے سب کو امراہوں کہ فقیر
ایک بڑھیا نے وہیں ٹوک کے فوراً یہ کہا
"تجھ کو کیا حق ہے جو کرتا ہے تو ایسی تقریر
صاف قرآن میں "قنطار" کا لفظ آیا ہے،
تجھ کو کیا حق ہے کہ اس لفظ کی کردے تغییر؟
لاکھ تک بھی ہو تو کہہ سکتے ہیں اس کو قنطار
تھا یہ اک وزن، کہ اس وزن کی یہ ہے تعبیر"

سرنگوں ہو کے کہا حضرت فاروقؓ نے آہ!
میں نہ تھا اس سے جو واقف تو یہ میری تقصیر

آنحضرتؐ کی غربا نوازی

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز، نہ کوئی غلام تھا،
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا

سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا۔ مگر نیل فام تھا
اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا

آخر گئیں جناب رسولِ خدا کے پاس
یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذنِ عام تھا،

محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض،
واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے
کل کس لیے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا؟
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں
حیدرؓ نے اُن کے منہ سے کہا جو پیام تھا؛
ارشاد یہ ہوا کہ غریبانِ بے وطن،
جن کا کہ صفۂ نبوی میں قیام تھا،
ہیں اُن کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز
ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا،
جو جو مصیبتیں کہ اب انپر گزرتی ہیں،
میں اس کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا،
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے اُن کا حق،
جنکو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا،
خاموش ہو کے سیدۂ پاک رہ گئیں

جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا،
یوں کی ہر اہلبیتِ مطہرّ نے زندگی،
یا ما جرائے دخترِ خیر الانام تھا،

ایثار کی اعلیٰ ترین نظیر

کافروں نے یہ کیا جنگ اُحد میں مشہور
کہ پیمبر بھی ہوئے کشتۂ شمشیرِ دودم،
ہوگے مشہور مدینہ میں جو پہنچی یہ خبر
ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدۂ حسرت و غم
ہوکے بیتاب گھروں سے نکل آئے باہر
کودک و پیر و جوان و حذم و خیل و حشم
وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پردہ نشینانِ عفاف
جن میں تھیں سیدۂ پاک بھی با دیدہ نم
ایک خاتون کہ انصار سے تھیں

سخت مضطر تھیں نہ تھے ہوش و حواس انکے بہم
موقع جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا
کیا کہیں تجھ سے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم
تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی
تیرے والد بھی ہوئے کشتۂ شمشیر ستم
سب سے بڑھکر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید
گھر کا گھر صاف ہوا ٹوٹ پڑا کوہِ الم
اُس عفیفہ نے یہ سب سُنکے کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلاؤ۔ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ اُمم
سب نے دی اُسکو بشارت کہ سلامت ہیں حضور
گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم
بڑھ کے اُس نے رخِ اقدس کو جو دیکھا تو کہا
تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج و الم
میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

ہجرتِ نبوی

جب کہ آمادۂ خوں ہو گئے کفارِ قریش
لاجرم سرورِ عالم نے کیا عزمِ سفر،
کوئی نوکر تھا، نہ خادم، نہ برادر۔ نہ عزیز
گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور
اک فقط حضرتِ بوبکرؓ تھے ہمراہ رکاب
ان کی اخلاص شعاری تھی جو منظورِ نظر،
رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے
کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادۂ شر
چونکہ سو اونٹ کا انعام تھا قتل کے لئے
آپ کے قتل کو نکلے تھے بہت طالبِ زر
انہی لوگوں میں سراقہ خلف جعشم تھے،
جن کو فاروق نے آکر روز پہنائے تھے گہر

تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں
تھا جہاں عقرب وافعی کی حکومت کا اثر،،
بیمِ جاں۔ خوفِ عدو۔ ترکِ غذا سختیٔ راہ
ان مصائب میں ہوئی اب شبِ ہجرت سے سحر
یاں مدینہ میں ہوا غل کہ رسولؐ آتے ہیں،
راہ میں آنکھیں بچھانے لگے اربابِ نظر
لڑکیاں گانے لگیں شوق میں آکر اشعار
نغمہائے "طلع البدر" سے گونج اُٹھے گھر
ماں کی آغوش میں بچے بھی مچل جانے لگے
نازنینانِ حرم بھی نکل آئیں باھر
آلِ نجار چلے شہر سے ہوکر تیارا
زرہ و جوشن و چار آئنہ و تیغ و سپر
دفعتہً کوکبۂ شاہِ رسلؐ آپہنچا
غل ہوا صلِّ علےٰ شاہِ انامِ بشر

جلوۂ طلعتِ اقدس جو ہوا عکس فگن
دفعتاً تارِ شعاعی تھا ہر اک تارِ بصر
طور سے حضرتِ موسیٰ کی صدا آتی تھی
آج اک اور جھلک سی مجھے آتی ہے نظر
سب کو تھی فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے
میہماں ہوتے ہیں کس اوج نشیں کے سرورؐ
سینے کہتے تھے کہ خلوت گہہ دل حاضر ہے
آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی تیار ہیں گھر
ہاں مبارک تجھے اے خاکِ حریمِ نبوی،
آج سے تو بھی ہوئی خاکِ حرم کی ہمسر!
صلِّ یا ربّ علیٰ خیرِ نبیؐ و رسولؐ
صلِّ یا ربّ علیٰ افضلِ جنّ و بشر

رسولِ خدا کا حِلم

ہند تھی پردہ نشینِ حرمِ بوسفیان
لقبِ ہند جگر خوار سے جو ہے مشہور

بارگاہِ نبوی میں وہ ہوئی جب حاضر
اس ارادہ سے کہ ہو داخلِ اربابِ حضور

عرض کی خدمتِ اقدس میں کہ اے ختمِ رسل
دینِ اسلام ہے مجھکو بدل و جاں منظور

آپ ہم پردہ نشینوں سے جو بیعت لینگے
کون سے کام ہیں جنکا کہ برتنا ہے ضرور

آپ نے لطف و عنایت سے یہ ارشاد کیا
پہلی یہ بات کہ ہو شائبہ شرک سے دور

دوسری یہ کہ نبوت کا ہے لازم اقرار
بولی ان باتوں سے انکار نہیں مجھکو حضور

پھر یہ ارشاد ہوا منع ہے اولاد کا قتل
اس شقاوت سے ہر اک شخص کو بچنا ہی ضرور
عرض کی اس نے کہ اے شمع شبستانِ رُسل!
یہ وہ موقع ہے کہ عاجز ہے یہاں فہم و شعور
میں نے اولاد کو پالا تھا بڑی محنت سے،
میں انہیں آنکھ میں رکھتی تھی کہ تھے آنکھ کا نُور
بدر میں قتل اُنہیں حضرتِ والا نے کیا
ہم سے کیا عہد اب اسبات کا لیتے ہیں حضور
گرچہ یہ سُوءِ ادب تھا غلطی پر مبنی،
گرچہ یہ بات تھی خود شیوۂ انصاف سے دُور
اُس کی اولاد نے خود جنگ میں کی تھی سبقت
لڑکے مرا کوئی جائے تو یہ کس کا ہے قصور
لیکن آزادیِ افکار تھی از بسکہ پسند
آپ نے فرطِ کرم سے اُسے رکھا معذور

تعمیرِ مسجدِ نبویؐ

ہجرت کے بعد آپ نے پہلا کیا جو کام
تعمیرِ سجدہ گاہِ خدائے انام تھا،
اک قطعۂ زمیں تھا کہ اس کام کے لئے
واقع میں ہر لحاظ سے موزوں مقام تھا
وہ قطعۂ زمیں تھا یتیموں کی مِلکِ خاص
ہر چند قبرگاہ و گزرگاہِ عام تھا
چاہا حضورؐ نے کہ بہ قیمت خرید لیں،
اُن کے مربیّوں سے کہا جو پیام تھا
ایتام نے حضور میں آکر یہ عرض کی،
یہ چیز ہی ہے کیا کہ جو یہ اہتمام تھا،
یہ ہدیۂ حقیر پذیرا کریں، حضورؐ
اللہ اس زمین کا یہ احترام تھا

لیکن حضور نے نہ گوارا کیا، اِسے
منّت کشی سے آپکو پرہیز تام تھا
احسان اور وہ بھی یتیمانِ زار کا
بالکل خلافِ طبعِ رسولِ انام تھا
بارہ ہزار سکۂ رائج عطا کئے،
یہ تھا وہ خلق جس سے مخالف بھی رام تھا
سامان جو ضرور ہیں تعمیر کے لئے
اب اُن کی فکر مشغلۂ صبح و شام تھا
مزدور کی تلاش بھی تھی سنگ و گل کی بھی
ازبسکہ جلد بننے کا خاص اہتمام تھا،
انصارِ پاک اور مہاجر تھے جس قدر
مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا،
اک راور نفسِ پاک بھی ان سب کا تھا شریک
جو آب و گِل کے شغل میں بھی شادکام تھا،
کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت

سینہ غبارِ خاک سے سب گرد فام تھا،
سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریک حال
یہ خود وجودِ پاکِ رسولؐ انام تھا،
جو وجہ آفرینشِ افلاک و عرش ہے
جس کا کہ جبرئیل بھی ادنیٰ غلام تھا،
صلوا علی النبی و صحابہ الکرام،
اس نظم مختصر کا یہ مسک الختام تھا

ہمارا طرزِ حکومت

کبھی ہمنے بھی کی تھی حکمرانی ان ممالک پر
مگر وہ حکمرانی جسکا سکہ جان و دل پر تھا
قرابت راجگان ہند سے "اکبر" نے جب چاہی
کہ یہ رشتہ عروسِ کشور آرائی کا زیور تھا
تو خود فرماں دہ جے پور نے نسبت کی خواہش کی

اگرچہ آپ بھی وہ صاحب دیہیم و افسر تھا
ولی عہد حکومت اور خود شاہنشہ اکبر
گئے انبیر تک جو تختگاہِ ملک و کشور تھا
اُدھر راجہ کی نور دیدہ گھر میں حجلہ آرا تھی
ادھر شہزادہ پر چتر عروسی سایہ گستر تھا
دُلہن کو گھر سے منزل گاہ تک اس شان سے لائے
کہ کوسوں تک زمیں پر فرش دیبائے مشجر تھا
دُلہن کی پالکی خود اپنے کندھوں پر جو لائے تھے
وہ شاہنشاہ اکبر اور جہانگیر ابن اکبر تھا
یہی ہیں وہ شمیم انگیزیاں عطرِ محبت کی
کہ جن سے بوستانِ ہند برسوں تک معطر تھا
تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

اسلامی نظام

جب ولی عہد ہوا تختِ حکومت کا یزید
عاملِ یثرب و بطحا کو یہ پہنچے احکام
کہ ولی عہد کا بھی اب سے پڑھے نام ضرور
خطبہ پڑھتا ہے حریمِ نبوی میں جو امام،
وقت آیا تو چڑھا پایۂ ممبر پہ خطیب
اور کہا یہ کہ یزید اب ہے امیرِ اسلام،
یہ نئی بات نہیں ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ
جانشیں کر گئے جب موت کا پہنچا پیغام
اُٹھ کے فرزندِ ابوبکرؓ نے فوراً یہ کہا
سر بسر کذب ہے یہ اے خلفِ نسلِ لئام
جھوٹ ہے یہ کہ ہے یہ سنتِ بوبکرؓ و عمرؓ
ہاں مگر قیصر و کسرا کی ہے یہ سنتِ عام

اپنے بیٹے کو بنایا تھا خلیفہ کس نے؟
ایسی بدعت کا نہیں مذہبِ اسلام میں نام
یہ طریقہ متوارث ہے تو کفار میں ہے
ورنہ اسلام ہے اک مجلسِ شوریٰ کا نظام
شانِ اسلام ہے شخصیتِ ذاتی سے بعید،
شرع میں سلطنتِ خاص ہی ممنوع و حرام
اس سے بھی قطع نظر نسلِ عرب ہیں ہم لوگ
وہ کوئی اور ہیں جو ہوتے ہیں شاہوں کے غلام

انصافِ عمرؓ

پسرِ عبد عزیز اموی
عدل میں ثانی ابن الخطاب
جب ہوا تختِ خلافت انکو
ہو گیا گلشنِ گیتی شاداب
ایک شب گھر سے چلے بہرِ نماز
پڑ گیا جب رُخِ عالم پہ نقاب
کوئی آوارہ وطن تند مزاج
صحنِ مسجد میں تھا آلودۂ خواب

پاؤں کا اُنکے ٹھوکا جو رنگا، جاگ اُٹھا اور کیا انسے خطاب

خبر ہے؟ کیا کوئی مجنون ہے تو؟ یا کہ کچھ ہے تری آنکھوں پہ حجاب

ہنس کے فرمایا کہ "مجنون نہیں کچھ نہیں مجھ میں جنوں کے اسباب

ہاں مگر ہو گئی مجھ سے تقصیر آپ سے عفو کا طالب ہوں جناب"

چوبدار ان لے گیا اُسکو اسیر چاہتے یہ تھے کہ دیں اُسکو جواب

آپ نے روکدیا اُن کو وہیں پھر کہا اُن سے یہ آہستہ خطاب

اس نے اک بات فقط پوچھی تھی، جو مناسب تھا دیا میں نے جواب

بات قطعی تو نہیں اُس نے کہی پوچھنا کچھ نہیں شایانِ عتاب

اتنی سی بات پہ یہ جوش و غضب اتنی سی بات پہ یہ خشم و عتاب

بیکسوں کو میں ستاؤں کیونکر
مجھکو دینا ہے قیامت میں جواب

تجربہ و تفرقہ

ہمیں جس چیز نے کھویا وہ تفرق و تحزب تھی یہی وہ شے ہے جو بربادیٔ مسلم کے درپے ہے

مگر اب تو در و دیوار تک اس کا اثر پہنچا وضوخانہ الگ اک چیز ہے مسجد الگ شے ہے

تنزلِ اسلام کا سبب

لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہے اب امرِ صریح
کہ زمانہ میں کہیں عزتِ اسلام نہیں،
آپ جائینگے جہاں قوم کو پائیں گے ذلیل
اس میں تخصیص عراق و عرب و شام نہیں
یہ بھی ظاہر ہے کہ ہیں مختلف الحال یہ لوگ
کوئی چیز ان میں جو ہو مشترکِ عام نہیں،
ایشیائی ہے اگر یہ تو وہ ہے افریقی
اور کوئی رابطۂ نامہ و پیغام نہیں،
لالہ رُخ یہ ہے تو زنگی و سیہ فام ہے وہ
یہ سمن بر ہے وہ موزون و خوش اندام نہیں
اس نے گہوارۂ راحت میں بسر کی ہے عمر
وہ کبھی خوگرِ آسایش و آرام نہیں،

وہ ازل سے ہے کمند افگن و شمشیر نواز
اس کو جز عیش کسی چیز سے کچھ کام نہیں،
خوان و ایواں سے بھی سیری نہیں ہوتی اسکو
اس کو گر نانِ جویں بھی ہو تو ابرام نہیں،
اس نے یورپ کے مدارس میں جو سیکھے ہیں علوم
وہ ابھی ابجدِ تعلیم سے بھی رام نہیں،
اس قدر فرق و تفاوت پہ بھی ہے عام یہ بات
قوم کا دفترِ عزت میں کہیں نام نہیں
پس اگر غور سے دیکھو تو بجز مذہب و دیں
ہم مسلمانوں میں کوئی صفتِ عام نہیں،
ان اصولوں کی بنا پر یہ نتیجہ ہے صریح
سببِ پستیِ اسلام جز اسلام نہیں،
ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لبِ بام نہیں،
غور کرنے کے لئے فکر و تعمق ہے ضرور

منزلِ خاص ہے یہ رہ گزرِ عام نہیں
بحثِ ما فیہ میں پہلی غلطی یہ ہے کہ آپ
جس کو اسلام سمجھتے ہیں وہ اسلام نہیں
آپ کھانے کو بتا دیتے ہیں پہلے مسموم
پھر یہ کہتے ہیں غذا موجبِ اسقام نہیں
اعتقادات میں ہے سب سے مقدم توحید،
آپ اس وصف کو ڈھونڈیں تو کہیں نام نہیں
کون ہے شائبۂ کفر سے خالی اس وقت
کون ہے جس پہ فریبِ ہوسِ خام نہیں
آستانوں کی زیارت کے لئے شدِّ رحال
اس میں کیا شان پرستاریٔ اصنام نہیں
کیجئے مسئلۂ شرکِ نبوّت پہ جو غور
کفر میں بھی یہ جہانگیریٔ اوہام نہیں
اب عمل پر جو نظر کیجئے آئے گا نظر
کہ کسی بات میں پابندیٔ احکام نہیں

اغنیا کی ہے یہ حالت کہ نہیں ہو وہ رئیس
جس کے چہرہ پہ فروغِ مئے گلفام نہیں
نصِ قرآں سے مسلمان ہیں بھائی بھائی
اس اُخوّت میں خصوصیتِ اعمام نہیں
یاں یہ حالت ہے کہ بھائی کا ہی بھائی دشمن
کونسا گھر ہے جہاں یہ روش عام نہیں
نہ کہیں صدق و دیانت ہے نہ پابندیٔ عہد
دل ہیں ناصاف زبانوں پہ جو دشنام نہیں
آیتِ فَاعْتَبِرُوْا پڑھتے ہیں ہر روز مگر
علماء کو خبرِ گردشِ ایّام نہیں
الغرض عام ہے جو چیز وہ لے دینی ہے
صاف یہ بات ہے کچھ دھوکا نہیں ابہام نہیں
ان حقائق کی بنا پر سبب پستی قوم!
ترکِ پابندیٔ اسلام ہے اسلام نہیں

جرأتِ صداقت

تھے تو حضرتِ عباسؓ بھی شاملِ کفر
کم سے کم یہ کہ رسالت پہ نہ تھا اُن کو یقیں
بدر میں آکے لڑے اور گرفتار ہوئے
بسکہ تقدیر میں تھی خانۂ زنداں کی زمیں
قیدیوں کے لیے جو گھر کہ ہوا تھا تیار
اتفاقات سے تھا خانۂ مسجد کے قریں
رات کو حضرتِ عباسؓ کراہے اکثر
قید کرتے ہوئے لوگوں نے جو کَسْ دی تھیں کمیں
دیر تک سرورِ عالم کو رہی بے خوابی
کروٹیں لیتے تھے اور نیند نہ آتی تھی قریں
وجہ پوچھی جو صحابہؓ نے تو بیدردی پایا
"آتی ہے کان میں عباسؓ کی آوازِ حزیں"

جب سنا یہ تو وہیں کھولدیے ہاتھ اُن کے
چین سے حضرت عباسؓ نے راتیں کاٹیں
تھا اُنہیں حضرت عباس کا پوتا منصور،
جو کہ ایوانِ خلافت میں ہوا تخت نشیں،
ایک دن حکم دیا اُس نے کہ اولادِ رسولؐ
ایک جا جمع کئے جائیں جو ملجائیں کہیں
پھر دیا حکم کہ ان سب کو پہنا کر زنجیر
کہہ دو ان سے کہ بنیں خانۂ زنداں کے مکیں
ایک دن سیر کو اس شان سے نکلا منصور
پا بہ زنجیر تھے سادات بیمار، او رمیں
ساتھ ساتھ آتے تھے پیدل جگرو جانِ رسولؐ
اور منصور تھا زیبِ حرمِ خانۂ زیں،
ایک نے مجمعِ سادات سے بڑھکر یہ کہا
گرچہ اس لطف کے مشکور ہیں ہم خاک نشیں
غزوۂ بدر میں لیکن جو کیا ہمنے سلوک

شغل تکفیر

اک مولوی صاحب سے کہا میں نے کہ کیا آپ
کچھ حالتِ یورپ سے خبردار نہیں ہیں،
آمادۂ اسلام ہیں لندن میں ہزاروں
ہر چند ابھی مائل اظہار نہیں ہیں
تقلید کے پھندوں سے ہوئے جاتے ہیں آزاد
وہ لوگ بھی جو داخل احرار نہیں ہیں
جو نام سے اسلام کے ہو جاتے ہیں برہم
اُن میں بھی تعصب کے وہ آثار نہیں ہیں،
افسوس مگر یہ ہے کہ واعظ نہیں پیدا
یا ہیں تو بقول آپ کے دیندار نہیں ہیں
کیا آپ کے زمرہ میں کسی کو نہیں یہ درد
کیا آپ بھی اس کے لئے تیار نہیں ہیں؟
جھلّا کے کہا یہ۔ کہ یہ کیا سوء ادب ہے

کہتے ہو وہ باتیں جو سزاوار نہیں ہیں
کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

مذہب یا سیاست

تم کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو!
دو ہی باتیں ہیں کہ جنپر ہے ترقی کا مدار
یا کوئی جذبۂ دینی تھا کہ جس نے دم میں
کر دیا ذرۂ افسردہ کو ہمرنگِ شرار
ہے یہ وہ قوتِ پُرزور کہ جس کی تکرار
سنگِ خارا کو بنا دیتی ہے اک مشتِ غبار
اس کی زد کھا کے لرز جاتی ہے بنیادِ زمیں
اس سے ٹکرا کے بکھر جاتے ہیں اوراقِ دیار
یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے،
کھیلنے جاتے تھے ایوان گہِ کسریٰ میں شکار

وہ الٹ دیتے تھے دنیا کا مرقع دم میں،
جن کے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اونٹوں کی مہار
اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم
بن گئی دہر میں جا کر چمن آرائے بہار
یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے رہزن
فاش کرنے لگے جبریلِ امیں کے اسرار،
یا کوئی جاذبۂ ملک و وطن تھا جس نے
کر دئے دم میں قوائے عملی سب بیدار
ہے اسی مے سے یہ سرمستیٔ احرارِ وطن
ہے اسی نشے سے یہ گرمیِ ہنگامۂ کار،
آپ دونوں سے کئے دیتے ہیں ہم کو محروم
نہ سیاست ہی نہ ناموسِ شریعت کا وقار
مدتوں بحث سیاست کی اجازت ہی نہ تھی،
کہ وفاداریِ مسلم کا تھا یہ خاص وقار
اب اجازت ہے مگر دائرۂ بحث ہے یہ

کہ گورنمنٹ سے اس بات کی ہوں عرضگزار
ہم کو پامال کئے دیتے ہیں ابنائے وطن،
ڈر ہے پس جائے نہ یہ فرقۂ اخلاص شعار
یہ بھی اک گو نہ شکایت ہے غلاموں کو ضرور
کہ مناصب میں ہے کم حلقہ بگوشوں کا شمار
اب رہا جذبۂ دینی تو وہ اس طرح مٹا
کہ ہمیں آپ ہی آتا ہے اب اس نام سے عار
وضع میں طرز میں اخلاق میں سیرت میں کہیں
نظر آتے نہیں کچھ حرمتِ دیں کے آثار
آپ نے ہمکو سکھائے ہیں جو یورپ کے علوم
اس ضرورت سے نہیں قوم کو ہرگز انکار،
بحث یہ ہے کہ وہ اس طرز سے بھی ممکن تھا
کہ نہ گھٹتا کبھی ناموس شریعت کا وقار
ہم نے پہلے بھی تو اغیار کے سیکھے تھے علوم
ہم نے پہلے بھی تو اس نشہ کا دیکھا ہے خمار

نام لیتے تھے ارسطو کا ادب سے ہرچند
تھے فلاطون الٰہی کے بھی گوشکر گزار
جانتے تھے مگر اس بات کو بھی اہلِ نظر
کہ حریفوں کو نہیں انجمنِ خاص میں بار
یعنی یہ بادۂ عرفاں کے نہیں ذوق شناس
بزمِ اسرار کے یہ لوگ نہیں بادہ گسار
آج ہر بات میں ہے شانِ تفرّج پیدا
آج ہر رنگ میں یورپ کے نمایاں ہیں شعار
ہیں شریعت کے مسائل بھی وہیں تک مقبول
کہ جہانتک انہیں معقول بنائیں اغیار

احرار قوم اور طفل سیاست

یہ اعتراض آپ کا بیشک صحیح ہے
احرارِ قوم میں ہیں بہت خامیاں ابھی،
چلتے ہیں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ

گم گشتہ طریق ہے یہ کارواں ابھی،

زود اعتقادیاں ہیں، تلوّن ہی۔ وہم ہے
ہو جاتے ہیں ہر ایک سے یہ بدگماں ابھی

دل میں نہ عزم ہے نہ ارادوں میں ہی ثبات
جھیلے نہیں ہیں معرکۂ امتحاں ابھی

بے اعتدالیاں ہیں ادائے کلام میں،
باہر ہے اختیار سے ان کے زباں ابھی

ہر دم ہیں گو مسائل ملکی زبان پر،
ان میں سے ایک بھی تو نہیں نکتہ داں ابھی

یہ سب بجا درست۔ مگر سچ تو پوچھئے
جو کچھ کہ ہے یہ ہے اثر رفتگاں ابھی،

یہ ہے اسی سیاستِ پارینہ کا اثر
گو شمع بجھ چکی ہے مگر ہے دھواں ابھی

موزوں نہیں ہے جنبشِ اعضا تو کیا عجب،
شب کے خمار کی ہیں یہ انگڑائیاں ابھی،

چلنے میں لڑکھڑاتے ہیں اک اک قدم پہ پاؤں
چھوٹے ہیں قید سخت سے یہ سخت جاں ابھی

بیکار کر دیے تھے جو خود بازوئے عمل
گو کھینچتے ہیں، پر نہیں کھنچتی کماں ابھی

آئے کہاں سے قوتِ رفتار پاؤں میں
کچھ بیڑیاں ہیں پاؤں کی بندِ گراں ابھی

غوغا ہے کچھ مباحث ملکی نہیں ہیں یہ
اک طفل ہے سیاست ہندوستاں ابھی

منکرِ مے بودن و ہم رنگِ مستاں زیستن

معترض ہیں مجھ پہ میرے مہربانانِ قدیم
جرم یہ ہے میں نے کیوں چھوڑا وہ آئینِ کہن

میں نے کیوں لکھے مضامینِ سیاست بے بہ بے
کیوں نہ کی تقلیدِ طرزِ رہنمایانِ زمن؟

کانگریس سے مجھ کو اظہارِ براءت کیوں نہیں
کیوں حقوقِ ملک میں ہوں ہندوؤں کا ہم سخن،
خیر میں تو شامتِ اعمال سے جو ہوں وہ ہوں
آپ تو فرمایئے۔ کیوں آپ نے بدلا چلن،
آپ نے شملہ میں جا کے کی تھی جو کچھ گفتگو،
ماحصل اس کا فقط یہ تھا پس از تمہیدِ فن،
سعی بازو سے ملیں جب ہندوؤں کو کچھ حقوق،
اُس میں کچھ حصہ ملے ہم کو بھی، بہرِ بخششِ
یعنی جا کر شیر جب جنگل سے کر لائے شکار،
لومڑی پہنچے کہ کچھ مجکو بھی سرکارِ زمن!!
لیکن اب تو آپ کی بھی کھلتی جاتی ہیں زباں
آپ بھی ابتو اڑاتے ہیں وہی طرزِ سخن
ابتو مسلم لیگ کو بھی خواب آتے ہیں نظر
اب تو ہے کچھ اور طرزِ نغمۂ مرغِ چمن،
ملک پر اپنی حکومت چاہتے ہیں آپ بھی،

تھا یہی تو منتہائے فکرِ یارانِ وطن،
آپ نے بھی اب تو نصب العین رکھا ہے وہی
کانگریس کا ابتدا سے ہے جو موضوعِ سخن
آپ بھی تو جادۂ (سیّد) سے اب ہیں منحرف!
اب تو اوراقِ وفا پر آپ کے بھی ہے شکن
جب یہ حالت ہے تو پھر ہم پر ہی کیوں چشمِ عتاب
منکرے بودن و ہمرنگِ مستاں زیستن

خطاب بحضورِ وائسرائے

اے ہمایوں گہر افسر و اورنگِ شہی
وہ کیا تو نے جو آئینِ جہانبانی ہے،
تو نے ظاہر میں رعایا سے جو کھائی ہے شکست
یہ حقیقت میں ظفر مندیٔ سلطانی ہے
تو نے سمجھا کہ رعایا کا وہ انبوہ وہ جوش
گرچہ جائز نہ سہی جذبۂ انسانی ہے،

تیرے لطف و کرمِ عام نے دیدی یہ ندا
کوئی مجرم ہو نہ قیدی ہے نہ زندانی ہے،
تونے اک آن میں گرتا ہوا گھر تھام لیا
بازوؤں میں یہ ترے زورِ جہانبانی ہے
بات رکھ لی تری تقریر نے حکام کی بھی
گرچہ لازم اُنھیں اظہارِ پشیمانی ہے
تیرے دربار میں پہنچینگے جو اوراق سپاس
اُن میں یہ پیشکش شبلی نعمانی ہے
گرچہ مدحِ امرا میں نے نہیں کی ہے کبھی
شکرِ احسان مگر اک فطرتِ انسانی ہے

سادگی

اک روز جرمنوں نے کہا از رہِ غرور
آساں نہیں ہے فتح تو دشوار بھی نہیں،
برطانیہ کی فوج ہے دس لاکھ سے بھی کم،

اُس پر یہ لطف ہے کہ وہ تیار بھی نہیں

باقی رہا فرانس تو وہ رندلم یزل
آئیں شناس شیوۂ پیکار بھی نہیں

میں نے کہا غلط ہے ترا دعوے غرور!
دیوانہ تو نہیں ہے تو ہُشیار بھی نہیں

ہم لوگ اہل ہند ہیں جرمن سہی دش گنے
تجھ کو تمیز اندک و بسیار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے ای خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

جنگِ زرگری

کیا لطف ہے کہ حامی ندوہ ہیں اب وہ لوگ
جن کو کہ اُس کے کام سے بھی اجتناب تھا

وہ لوگ جنکی رائے میں یہ ندوۂ غریب
ایک بیہودہ خیال تھا یا ایک خواب تھا

وہ لوگ جنکی رائے میں تعلیم کا یہ طرز
اعلانِ جنگ سیّدِ عالیجناب تھا
وہ لوگ جنکی رائے میں یہ ندوہ حقیر
تعلیم مغربی کے لئے سدِّ باب تھا
وہ لوگ جنکی رائے میں ندوہ کا یہ طلسم،
سرتاقدم فریب دہِ شیخ و شاب تھا
ندوہ کا نام سنکے جو کھاتے تھے پیچ وتاب
جن کے لئے وہ موجب رنج و عذاب تھا
حیرت یہ ہے کہ مجمع دہلی میں یہ گروہ
ندوہ کے حل و عقد کا نائب مناب تھا
ندوہ یہ حرف گیر جو ہوتا تھا کوئی شخص
وہ اس گروہ پاک کا وقفِ عتاب تھا،
ندوہ میں کوئی نقص بتاتا تھا گر کوئی،
ان کی طرف سے ایک کا سو سو جواب تھا
سیارگانِ چرخِ علی گڑھ تھے پیش پیش

جنمیں کوئی قمر تھا کوئی آفتاب تھا

حیرت میں تھے تمام تماشائیانِ بزم
یعنی یہ کیا طلسم تھا، کیا انقلاب تھا

ندوہ کہاں، کہاں وہ علی گڑھ کی انجمن
اُس بزمِ قدس میں یہ کہاں باریاب تھا

کس دن کی دوستی ہے یہ کب کا ہے ارتباط
یوں کب وہ موردِ کرمِ بے حساب تھا

شایانِ آفریں ہے وہی ندوۂ غریب،
جو مدتوں سے موردِ خشم و عتاب تھا

سرشار ہے حمایتِ ندوہ میں وہ گروہ
جس کو کہ اُس کے ذکر سے بھی اجتناب تھا

یہ قصۂ لطیف ابھی ناتمام ہے،
جو کچھ بیاں ہوا ہے یہ آغازِ باب تھا

آتا ہے اب معائنۂ ندوہ کا سخن
جو اختراعِ مجمعِ حکمت شعار ہے

جن میں سے کچھ شریکِ نزاعِ قدیم ہیں
کچھ ابتدا سے بانیٔ آغاز کار ہے،
جن میں سے کوئی محکمۂ راز کا شریک
مضمونِ آفتاب کا مضموں نگار ہے
خود کوزہ گر ہے خود گِل کوزہ بھی ہے وہی
جو صلح ہے وہی روشِ کارزار ہے
کیا شانِ ایزدی ہے۔ وہی ندوۂ علوم
جو مدّعیِ رہبرِیِ روزگار ہے
جو مایۂ اُمید ہے نسلِ جدید کا
جو کاروانِ رفتہ کی اب یادگار ہے
جس پر یہ حُسنِ ظن ہے کہ یہ مجمعِ کرام
جس کا کہ مصر و شام میں ابتک وقار ہے
آیا تھا جس کے شوق میں وہ فاضلِ عرب
جس کا مرقعِ ادبی "المنار" ہے
چلتے ہیں جس کے نقشِ قدم پر حریف بھی،

گو اعتراف حق سے ابھی اُن کو عار ہے
جس نے خطابتِ عربی کو دیا رواج
جو فنِ جرح و نقد کا آموزگار ہے
جس نے بدل دیا روش و شیوۂ قدیم
جو رہبرِ طریقۂ اصلاح کار ہے
آتے ہیں اُس کی جانچ کو ناآشنائے فن
یہ انقلابِ گردشِ لیل و نہار ہے
تعلیمِ مشرقی سے نہیں جن کو کچھ غرض
وہ آپ نہ ان کا نازکشِ اقتدار ہے
اربابِ ریش و جبۂ اقدس کا وہ گروہ
اب چند منشیوں کا اطاعت گزار ہے
یہ داستانِ درد یہ افسانۂ الم
ندوہ کا نوحۂ نفسِ احتضار ہے

خطاب بہ جیرا

یہ جو لیڈر شکنی آپ نے کی، خوب کیا
قوم اب طوقِ غلامی سے ہی بالکل آزاد،
لوگ اب حلقۂ تقلید میں ہوں گے نہ اسیر
ٹوٹ جائیگا طلسمِ اثرِ استبداد
ہاں مگر ایک گزارش بھی ہے یہ قابلِ غور
یہ تو فرمائیے اس باب میں کیا ہے ارشاد
بتکدے آپ نے ڈھائے بہت اچھا لیکن
شرط یہ ہے کہ حرم کی بھی تو رکھیئے بنیاد
آبلہ قابلِ نشتر تھا۔ یہ مانا۔ لیکن
دیکھئے یہ۔ کہ کہیں زخم میں آئے نہ فساد
آپ کہتے ہیں کہ وہ مجمع ناجائز تھا
خیر جو کچھ تھا، مگر جمع تو تھے کچھ آزاد،
اب کوئی مرکزِ قومی ہے نہ توحید خیال

نہ کوئی جادۂ مقصد ہے نہ کچھ توشہ وزاد
خوف یہ ہے کہ بکھر جائے نہ شیرازۂ قوم
خوف یہ ہے کہ یہ ویرانہ نہ ہو پھر آباد
ذرّے جس طرح سے ہو جاتے ہیں اُڑ اُڑ کے فنا
یوں ہی ہو جائے گی پھر قوم بھی آخر برباد
نکتہ چینی سے فقط کام نہیں چل سکتا
یہ بھی لازم ہے کہ کچھ کام بھی ہو پیش نہاد
بھاپ پُرزور ہے لیکن کوئی انجن بھی تو ہو
کام کیا آئے گا نشتر جو نہ ہوگا فصّاد

جزر و مد

دیکھ کر حرّیتِ فکر کا یہ دورِ جدید
سوچتا ہوں کہ یہ آئینِ خرد ہے کہ نہیں؟
رہنماؤں کی یہ تحقیر یہ اندازِ کلام
اسمیں کچھ شائبۂ رشک وحسد ہے کہ نہیں؟

اعتراضات کا انبار جو آتا ہے نظر
اسمیں کچھ قابل تسلیم و سند ہی کہ نہیں
نکتہ چینی کا یہ انداز یہ آئین سخن
بزم تہذیب میں مستوجب رد ہی کہ نہیں؟
جس نئی راہ میں ہیں بادیہ پیما یہ لوگ
کوئی اس جادۂ مشکل کا بلد ہی کہ نہیں؟
شاعروں نے جو نئی آج بچھائی ہی بساط
اسمیں ان پر بھی کہیں سے کوئی زد ہی کہ نہیں؟
پہلے گر شان غلامی تھی تو اب خیرہ سری
اس دورا ہے میں کوئی بیچ کی حد ہی کہ نہیں؟
فیصلہ کرنے سے پہلے میں ذرا دیکھ تو لوں
"جزر" جیسا تھا اُسی زور کا "مد" ہی کہ نہیں؟

تماشائے عبرت

آج کی رات یہ کیوں جمع ہیں احباب بہم
بھیڑ کیا ہے نظر آتا ہے یہ کیسا عالم
نوجوانان ہنر پرور و ارباب ہمم
جوق کے جوق چلے آتے ہیں کیسے پیہم
کچھ سمجھ میں نہیں آتا جو یہ سب سمجھے ہیں
شاید اس بزم کو یہ بزم طرب سمجھے ہیں
ہے گماں ان کو کہ آیا ہے تھیٹر کوئی
یا کہ اس سے بھی تماشا ہے یہ بڑھ کر کوئی
اس سبھا میں بھی نظر آئے گا اندر کوئی
مسخرا ان کے بھی آئیگا مقرر کوئی
نقل وہ ہوگی کہ دیکھی نہ سنی ہوگی کبھی
سیر وہ آج کریں گے کہ نہ کی ہوگی کبھی

یہ اس قومی مسدس کو علامہ شبلی نے علیگڑھ میں پڑھا:-

کوئی کہتا ہے تھیٹر تو نہیں ہے لیکن
ساز و نغمہ بھی نہ ہو ساتھ نہیں ہے ممکن،
راتیں کاٹی ہیں ابھی شوق میں تارے گن گن
دیکھیں کیا سیر دکھائیں یہ بزرگانِ سُن،
کچھ نہ کچھ تازہ کرامات تو ہوگی آخر
بوڑھے غمزوں میں کوئی بات تو ہوگی آخر

دوستو کیا تمہیں سچ مچ تھا تھیٹر کا یقیں"
کیا یہ سمجھے تھے کہ پردہ کوئی ہوگا رنگیں،
نظر آئے گی جو سوتی ہوئی اک زہرہ جبیں
آئے گا پھول کے لینے کو ارم کا گلچیں
قوم کی بزم کو یوں کھیل تماشا سمجھے
ہائے گر آپ یہ سمجھے بھی تو بیجا سمجھے،

ہائے افسوس کہ ہو قوم تو یوں خستہ و زار،
مرض الموت میں جس طرح سے کوئی بیمار
نہ معالج ہو کوئی پاس نہ سر پر غمخوار

نظر آتے ہوں دم نزع کے سارے آثار
واں تو یہ حال کہ مرنے میں بھی کچھ دیر نہیں
آپ ادھر سیر تماشے سے ابھی سیر نہیں

نوحۂ غم ہے یہاں نغمۂ عشرت کیسا
ہے یہ عبرت کا سماں جوشِ مسرت کیسا
ہے جنوں خیز یہ ہنگامۂ عبرت کیسا
قوم کا حال ہے غفلت کی بدولت کیسا
ہے عجب سیر اگر دیدۂ بینا دیکھے
دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے

ہائے کیا سین ہے یہ بھی کہ گروہ شرفا
صاحب افسر و اورنگ تھے جنکے آبا
قوم کے عقدۂ مشکل کے ہیں جو عقدہ کشا
ایکٹر بن کے وہ اسٹیج پہ ہیں جلوہ نما
قوم کے خواب پریشاں کی یہ تعبیریں ہیں
ایکٹر یہ نہیں عبرت کی یہ تصویریں ہیں

بانیِ مدرسہ وہ سید والا گوہر
وہ منیجنگ کمیٹی کے معزز ممبر
شبلیِ غمزدہ وہ شاعر اعجاز اثر
اور یہ نوباوۂ اقبال کے سب برگ و ثمر
نہ تکلف کے کچھ انداز نہ کچھ جاہ کی شان
بزم میں آئے ہیں اس حال سے اللہ کی شان
اپنے رتبوں کا نہ کچھ دھیان نہ کچھ وضع کا پاس
دوستوں سے نہ جھجک اور نہ دشمن سے ہراس
گرچہ سب کہتے ہیں حاصل نہیں کچھ بھی جز یاس
ہائے کیا دُھن ہے کہ پھر بھی تو نہیں ٹوٹتی آس
عرضِ مطلب کی ہے تصویر سراپا اُن کا
ہاتھ خود کاسۂ دریوزہ ہے گویا اُن کا
اُن کا ہر لفظ ہے اک مرثیۂ جاں فرسا
قوم کی شان دکھا دیتی ہے ایک ایک ادا
دیکھ لے قوم جو اب تک ہو نہ تو نے دیکھا

اپنے بگڑے ہوئے انداز کا پورا خاکا

گرچہ تدبیر بھی ہم سے نہیں کچھ کی جاتی
ہائے حالت بھی تو تیری نہیں دیکھی جاتی

یوں بھلانے کو تو ہم دل سے بھلاتے ہیں مگر
یاد آجاتے ہیں پھر بھی ترے اگلے جوہر

وہ بھی اک دن تھا کہ جس سمت سے ہوتا تھا گزر
ساتھ چلتے تھے جلو میں ترے اقبال و ظفر

تو کبھی روم میں قیصر کو مٹا کر آئی
کبھی یورپ میں نئے فتنے اٹھا کر آئی

تھے نقیبوں میں ترے دولت و اقبال و حشم
تیرے حملوں سے دہل جاتا تھا سارا عالم

ایشیا کا جو کیا تو نے مرقع برہم
جا کے یورپ کے افق پر بھی اڑایا پرچم

کر دیا دفتر تاتار کو ابتر تو نے
نیزہ گاڑا تھا جگر گاہ تتر پر تو نے

کون تھا جس نے کیا فارس و یوناں تاراج
کس کی آمد میں فدا کر دیا جیپال نے راج
کس کو کسریٰ نے دیا تخت و زر و افسر و تاج
کس کے دربار میں تاتار سے آتا تھا خراج

تجھ پہ اے قوم اثر کرتا ہے افسوں جن کا
یہ وہی تھے کہ رگوں میں ہے ترے خوں جن کا

ہم نے مانا بھی کہ دل سے یہ بھلا دیں قصے
یہ سمجھ لیں کہ ہم ایسے ہی تھے اب ہیں جیسے
یہ بھی منظور ہے ہم کو کہ ہمارے بچے
دیکھنے پائیں نہ تاریخ عرب کے صفحے

کبھی بھولے بھی سلف کو نہ کریں یاد اگر
یادگاروں کو زمانے سے مٹا دیں کیونکر

مرو و شیراز و صفاہاں کے وہ زیبا منظر
بیت حمرا کے وہ ایوان وہ دیوار وہ در
مصر و غرناطہ و بغداد کا ایک ایک پتھر

اور وہ دہلیٔ مرحوم کے بوسیدہ کھنڈر
اُن کے ذرّوں میں چمکتے ہیں وہ جوہر اب تک
داستانیں اُنھیں سب یاد ہیں ازبر اب تک
اُن سے سن لے کوئی افسانۂ یارانِ وطن
یہ دکھا دیتے ہیں آنکھوں کو وہی خوابِ کہن
تیرے ہی نام کا اے قوم یہ گاتے ہیں بھجن،
تیرے ہی نغمۂ پُر درد کے ہیں یہ ارگن،
پوچھتا ہے جو کوئی اُن سے نشانی تیری
یہ سُنا دیتے ہیں سب رام کہانی تیری

مسلم لیگ

لوگ کہتے ہیں کہ آمادۂ اصلاح ہے لیگ
یہ اگر سچ ہے تو ہم کو بھی کوئی جنگ نہیں،
صیغۂ راز سے کچھ کچھ یہ بھنک آتی ہے
کہ ہم آہنگیٔ احباب سے اب ننگ نہیں،

فرق اتنا تو بظاہر نظر آتا ہے ضرور
اب خوشامد کا ہر اک بات میں وہ رنگ نہیں،
عرضِ مطلب میں زباں کچھ تو ہی کھلتی جاتی
گرچہ ابتک بھی حریفوں سے ہم آہنگ نہیں
وہ بھی اب نقدِ حکومت کو پرکھتے ہیں ضرور
جن کو ابتک بھی تمیزِ گہر و سنگ نہیں
قوم میں پھونکتے رہتے ہیں جو افسونِ وفا
اُن کی افسانہ طرازی کا بھی وہ ڈھنگ نہیں
وہ بھی کہتے ہیں کہ اس جنسِ وفا کی قیمت
جسقدر رکھتی ہے ذرہ کی بھی ہمسنگ نہیں،
آگے تھے حلقۂ تقلید میں جو لوگ اسیر
سُست رفتار تو اب بھی ہیں مگر لنگ نہیں
آپ لبرل جو نہیں ہیں تو بلا سے نہ سہی
یاں کسی کو طلبِ افسر و اورنگ نہیں
کام کرنے کے بہت سے ہیں جو کرنا چاہے

اب بھی یہ دائرہ سعی و عمل تنگ نہیں
سال میں یہ جو تماشا سا ہوا کرتا ہے
کام کرنے کے یہ انداز نہیں ڈھنگ نہیں
کچھ تو نظم و نسق ملک میں بھی دیجئے دخل
شیوہ حق طلبی ہے یہ کوئی جنگ نہیں
کچھ نہ کچھ نظم حکومت میں ہے اصلاح ضرور
ہم نہ مانیں گے کہ اس آئینہ میں زنگ نہیں
کم سے کم حاکم اضلاع تو ہوں اہل وطن
کیا ہزاروں میں کوئی صاحب فرہنگ نہیں

سوشیل سلف گورنمنٹ

دیکھا جو لیگ نے کہ ہوا خاتمہ تمام
ازبسکہ دست حق طلبی اب دراز ہے
کہنے لگے ہیں سب کہ سیاست کا یہ نظام
مقبول خاص و عام نہیں خانہ ساز ہے

تقسیمِ مشرقی نے عیاں کر دیا ہے سب
شاہراہِ حق میں نشیب و فراز ہے
مجبور ہو کے لیگ نے اُلٹا ہے یہ ورق
جو سر بسر مرقعِ نیرنگ ساز ہے،
پہرہ یہ ہے جو سلف گورمنٹ کا نقاب
ہر دیدہ ور اسیرِ طلسمِ مجاز ہے،
سمجھے نہ یہ کہ "سَوٹ ایبل" کی جو شرط ہے
تمہیدِ سجدہ ہائے جبینِ نیاز ہے
سمجھے نہ لوگ یہ کہ یہی لفظِ پُر فریب
اس ملک میں طلسمِ غلامی کا راز ہے
سب یہ سمجھ رہے ہیں کہ اب لیگ و کانگرس
دونوں کا ایک عرصہ گہِ ترک و تاز ہے
جب تک کہ لوگ حلقہ بگوشِ خواص ہیں
جب تک زبانِ قوم خوشامد طراز ہے
جب تک ہیں لوگ عالمِ بالا سے مستفیض

جب تک بہم یہ دورِ "قدح ہائے راز" ہے
"احرار" سے کہو کہ نہیں کچھ امیدِ "صلح"
مٹتا نہیں جو تفرقہ و امتیاز ہے
آزادئ خیال پہ تم کو ہے گر غرور
تو لیگ کو بھی شانِ غلامی پہ ناز ہے

مسلم لیگ

لیگ کو جب نظر آیا کہ چلی ہاتھ سے قوم
اک نیا روپ بھرا اس نے باندازِ دگر
منظرِ عام پہ لوگوں سے کیا اُس نے خطاب
کہ نہیں سلف گورنمنٹ سے اب ہم کو مفر
اک ذرا سی مگر اس لفظ میں تخصیص بھی ہے
جس سے ہیں متفق اللفظ سب اربابِ نظر
یعنی وہ سلف گورنمنٹ کہ "ہو سوٹ ایبل"
یا کہ موزون و مناسب ہو بالفاظِ دگر

یہ مسلّم کہ ہر اک ملک کی حالت ہے جدا
جس کا آئینِ حکومت پہ بھی پڑتا ہے اثر
جو حکومت کہ کناڈا کے لئے موزوں ہو
ہے وہی مملکتِ ہند میں سرمایۂ شر
ملک میں ہم بھی ہیں ہندو بھی ہیں عیسائی بھی
جو کہ ہیں نخلِ حکومت کے لئے برگ و ثمر
واقعی قیدِ مناسب ہے بجا اور موزوں
آپ اس قید کو کس کام میں لائیں گے مگر؟
پہلے بھی آپ تو اس حصن میں لیتے تھے پناہ
پہلے بھی آپ اسی دشت میں تھے راہ سپر
جب کبھی کوئی بھی تحریک سیاسی ہوگی
آپ اس قیدِ مناسب کو بنائیں گے سپر
اب بھی ہیں جادۂ مقصد کے وہی نقشِ قدم
اب بھی اوراقِ سیاست کا وہی ہے مسطر
یہ وہی لفظ ہے مجموعۂ صد گونہ فریب

یہ وہی لفظ ہے سرمایۂ صد گونہ ضرر
آپ ہر بار جو پڑھ پڑھ کے پلٹ آتے ہیں
ہے اسی شیوۂ تعلیم غلامی کا اثر
آپ کے فلسفۂ نو کے یہ الفاظِ جدید
گو بظاہر ہیں فریبندۂ اربابِ بصر
ہے حقیقت میں اسی متنِ غلامی کی یہ شرح
ہے حقیقت میں اسی نخلِ سیاست کا ثمر
چند جملے جو زبانوں پہ چلے آتے ہیں
آپ دُہراتے ہیں ہر بار باندازِ دگر
ایک انمیں سے ہے یہ بھی کہ "ابھی وقت نہیں"
ہے اسی لفظ کی تشریح باندازِ دگر
آج یہ لفظ "مناسب" جو نیا وضع ہوا
آپ اس لفظ کو ہر بار بنائیں گے سپر
آپ کے دائرۂ بحث کا مرکز تھا یہی
آپکی گردشِ پیہم کا یہی تھا محور

آپ اس دام سے برسوں بھی نہ چھوٹینگے کبھی
آپ اس کوچۂ پرخم سے نہ ہونگے سرپر

آپ اس بھول بھلیاں سے نکلیں گے کبھی
دل سے جائیگا نہ تعلیم غلامی کا اثر

جب کہیں بھی کوئی پہلوئے غلامی ہوگا
ہر طرف پھر کے اسی نقطہ پہ ٹھہرے گی نظر

اسقدر سرد مزاج اور پھر اُس پر تبرید
خوف یہ ہے کہ پہونچ جائے نہ فالج کا اثر

آپ کچھ گرم دوائیں جو گوارا فرمائیں
ہم دعاگو یہ سمجھتے ہیں کہ ہوگا بہتر

لیگ معہ سوٹ ایبل

لیگ کو سلف گورنمنٹ ہو اب پیش نظر
للہ الحمد کہ حل ہوگئی ساری مشکل

اب یہ بیجا ہے شکایت کہ وہ آزاد نہیں

اب یہ کہنا غلطی ہے کہ وہ ہے پا در گل
ملک کے جملہ مسائل کی یہی ہے بنیاد
اور جو کچھ ہے' اسی چیز میں ہو سب شامل،
لیگ نے حق طلبی میں جو یہ جرأت کی ہو
واقعہ یہ ہے کہ ہے مدح و ثنا کے قابل
کچھ تو ہے لیگ میں جس نے یہ کشش پیدا کی
آپ سے آپ جو کھنچتا ہے اُدھر دامن دل
لیگ والوں نے جو اسٹیج پہ کی تقریریں
کر دئے اس نے خیالات غلط سب باطل
اس دلیری سے ہر اک حرف ادا ہوتا تھا
بعض کہتے تھے کہ "ہے سوء ادب میں داخل
الغرض لیگ کے اور مجلس ملکی کے عدود
یوں ملے آکے بہم بحر سے جیسے ساحل
ہاں تو اب عرض ہو یہ خدمت عالی میں جناب
کیجیے سافٹ گورنمنٹ کا مقصد حاصل

امتحانات سول کے لئے لنڈن کی یہ قید
ہے یہ رفتار ترقی کے لئے سخت مخل
یہ جو پیمائش ارضی کا ہے سی سالہ رواج
ملک کے حق میں ہو یہ زہر سے بڑھکر قاتل،
جو مناصب کہ ولایت کے لئے ہیں مخصوص
آج ابنائے وطن بھی تو ہیں اُن کے قابل
صیغۂ فوج میں تخفیفِ مصارف ہے ضرور
سینۂ ملک پہ! افسوس کہ بھاری ہے یہ سِل
لیگ نے سُن کے یہ سب مجھ سے بآہستہ کہا
آپ سمجھے بھی کہ اِس لفظ کا کیا تھا محمل؟
ہمنے گو سلف گورنمنٹ کی خواہش کی تھی
شرط یہ بھی تو لگا دی تھی کہ ہو سوٹ ایبل
آپ جو کہتے ہیں وہ ہے حد ادراک سے دُور
ہمکو اِس خواب پریشاں میں نہ کیجے شامل
یہ وہ باتیں ہیں جو مخصوص ہیں یورپ کے لئے

آپ طے پہلے غلامی کی تو کر لیں منزل

رائیٹ آنریبل سیّد امیر علی سے خطاب

اغماض چلتے وقت مروّت سے دُور تھا
اسوقت پاس آپ کا ہونا ضرور تھا

ہر چند لیگ کا نفس واپسیں ہے اب
اس ہستیٔ دو روزہ پہ جس کو غرور تھا

وہ دن گئے کہ بتکدہ کو کہتے تھے حَرَم
وہ دن گئے کہ خاک کو دعوائے نُور تھا

وہ دن گئے کہ شان غلامی کے ساتھ بھی
ہر بوالہوس خمار سیاست میں چُور تھا،

وہ دن گئے کہ "شارع اول" کا حرف حرف
ہم پایۂ کلام سخنگوئے طُور تھا

وہ دن گئے کہ فتنۂ آخر زماں کے بعد
گویا کہ اب امام زماں کا ظہور تھا

اب معترف ہیں دیدہ وران قدیم بھی
اس نقش سیمیا میں نظر کا قصور تھا
اس دست مرتعش میں نہ تھی قوت عمل
اک کاسۂ تہی یہ سر پر غرور تھا

مُسلم لیگ

لیگ کے عظمت و جبروت سے انکار نہیں
ملک میں غلغلہ ہے شور ہے کہرام بھی ہے،
ہے گورنمنٹ کی بھی اسپہ عنائت کی نگاہ
نظر لطف رئیسان خوش انجام بھی ہے
کون ہے جو نہیں اس حلقۂ قومی کا اسیر
اسمیں زہاد بھی ہیں رند مے آشام بھی ہے
فیض ہے اس کا باندازۂ طالب یعنی
بادۂ صاف بھی ہے دُرد تہ جام بھی ہے
کعبۂ قوم جو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

مرجع خاص ہے یہ، قبلہ گہِ عام بھی ہے
پختہ کاروں کے لئے آلۂ تسخیر ہے یہ
نوجوانوں کو صلائے طمع خام بھی ہے
رہنمایانِ نوآموز کا ہے مکتبِ درس
زینۂ فخر و نمائش گریِ عام بھی ہے
جن مہمات میں درکار ہے ایثارِ نفوس
ان میں طرزِ عمل بوسہ و پیغام بھی ہے
صدمۂ مشہد و تبریز سے آنکھیں ہیں پر آب
دلمیں غمخواریٔ ترکان نکو نام بھی ہے،
مختصر اس کے فضائل کوئی پوچھے تو یہ ہیں
محسن قوم بھی ہے خادمِ حکام بھی ہے،
ربط ہے اس کو گورمنٹ سے بھی ہلکی سی کچھ
جیس طرح صرف، میں اک قاعدہ ادغام بھی ہے
اس کے آفس میں بھی ہر طرح کا ساماں ہے درست
ورقِ سادہ بھی ہے کلکِ خوش اندام بھی ہے

ہیں قرینے سے سجائی ہوئی میزیں ہر سو
جا بجا دفتر پارینۂ احکام بھی ہے
چند بی اے ہیں سند یافتۂ علم و عمل
کچھ اسسٹنٹ ہیں کچھ حلقۂ خدام بھی ہے
ہو جو تعطیل میں تفریح سیاحت مقصود
سفر درجۂ اول کے لئے دام بھی ہے
یہ تو سب کچھ ہے مگر ایک گزارش ہے حضور!
گرچہ یہ سوء ادب بھی ہے اور ابرام بھی ہے
مجھ سے آہستہ مرے کان میں ارشاد ہو یہ
"سال بھر حضرتؒ الا کو کوئی کام بھی ہے؟

مسئلہ الحاق

مجھ کو حیرت تھی کہ تعلیم غلامی کے لئے
وہ نیا کون سا پہلو ہے کہ جو باقی ہے
پہلے جو بزم گہِ خاص تھی اس فن کے لئے

آج جو کچھ ہے اسی درس کی مشتاقی ہے
اُس کے ہوتے ہوئے پھر لیگ کی حاجت کیا تھی
جب وہی بادۂ گلگوں ہے وہی ساقی ہے
فیض ہے عالمِ بالا کا ابھی تک جاری
استفادہ میں وہی شیوۂ اشراقی ہے
غلطی سے جو نئی چیز سمجھتے ہیں اُسے
یہ فقط وہم غلط کار کی خلاقی ہے
شیخ صاحب نے کہا مجھسے باندازِ لطیف
اسمیں اک راز ہے اک نکتۂ اشراقی ہے
یوں تو ہیں جامعۂ درس غلامی دونوں،
فرق یہ ہے کہ وہ محدود یہ الحاقی ہے،

یونیورسٹی اور الحاق

شرطِ الحاق یہ اصرار اور ایسا اصرار
شیوۂ عقل نہیں بلکہ یہ ہے کج نگہی

درسگاہیں ہیں کہاں تب کہیے جنکا الحاق
اور اگر ہیں بھی تو بیکار ہیں یا طبل تہی
لوگ جس چیز کو کہتے ہیں علی گڈھ کالج
چشم بینا ہو تو ہے جامعۂ قوم یہی
یہ وہی قبلۂ حاجات ہے سوچیں تو ذرا
یہ وہی کعبۂ مقصود ہے دیکھیں تو سہی
آج جو لوگ ہیں جمعیّتِ قومی کے امام
جنکا ارشاد ہے ہمپایۂ طغرائے شہی،
سب کے سب متفق اللفظ یہی کہتے ہیں،
اِنَّ ھٰذا لَھُوَ الحقّ وَ اٰمَنْتُ بِہٖ
قوم کا دیکھیے بچپن کہ یہ سب سن کے کہا
جو کھلونا مجھے دکھلایا تھا لونگی تو وہی

یونیورسٹی ڈیپوٹیشن

تھی سفارت کی جو تجویز بظاہر موزوں

اہل مجلس بھی بظاہر نظر آتے تھے خموش
دفعۃً دائرۂ صدر سے اُٹھا اک شخص
جس کی آزادیٔ تقریر تھی غارتگرِ ہوش
اس نے اس زور سے تجویز یہ کی ردّ و قدح
چونک اُٹھے وہ بھی جو بیٹھے ہوئے تھے پنبہ بگوش
اہل مجلس نے جو بدلا ہوا دیکھا انداز
ڈر ہوا یہ کہ کہیں اور نہ بڑھ جائے خروش
صدر محفل نے بلا کر اسے آہستہ کہا،
کہ "تو ہم شاملِ وفد ستی و ایں مایہ مجوش"
بادۂ جامِ سفارت سے مردافگن تھا
ایک ہی جرعہ میں وہ شیر جری تھا خاموش
اب نہ وہ طرزِ سخن تھا نہ وہ آزادیٔ رائے
نہ وہ ہنگامہ طرازی تھی نہ وہ جوش و خروش
جس کی تقریر سے گونج اُٹھتا تھا اجلاس کا ہال
اب وہ اک پیکرِ تصویر تھا بالکل خاموش

سخت حیرت تھی کہ اک ذرۂ خاکستر تھا
وہ شرارہ جو ابھی برق سے تھا دوش بدوش
دیکھتے ہیں تو حرارت کا کہیں نام نہیں
ہوگیا شعلۂ سوزندہ بھڑک کر خس پوش
اہلِ ثروت سے یہ کہدو کہ مبارک ہو تمہیں
للہ الحمد ابھی ملک میں ہیں رائے فروش،

مُسلم یونیورسٹی

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے
الحاق کی جو شرط نہ مانی جناب نے،
کیا جانے کیا حضور کے دلمیں خیال ہے
مُسلم کے لفظ میں تو کوئی بات ہی نہ تھی
کیا اسمیں بھی حضور کو کچھ احتمال ہے؟
اسباب سوءِ ظن کے نئے کچھ عیاں ہوئے

یا پہلے ہی سے شیشۂ خاطر میں بال ہے؟

ہم تو ازل سے حلقہ بگوشِ نیاز ہیں
یہ سر ہمیشہ زیرِ قدم پائمال ہے

ہم نے تو وہ ثنا و صفت کی حضور کی،
جو خاص شیوۂ صفتِ ذوالجلال ہے

آیا کبھی نہ حرفِ تمنّا زبان پر
یا تک تو ہم کو پاسِ ادب کا خیال ہے

اُردو کے باب میں جو ذرا کھلگئی زباں
اب تک جبین پر عرقِ انفعال ہے

دامن غبارِ حق طلبی سے رہا ہے پاک
یہ فیضِ خاصِ رہبرِ دیرینہ سال ہے

آیا جو حرّیت کا کبھی دل میں وہم بھی
سمجھا دیا کہ جوشِ جنوں کا اُبال ہے،

اب تک اسی طریق پہ ہیں بندگانِ خاص
گو صحبتِ عوام میں کچھ قیل و قال ہے

گردن جھکی ہوئی ہے زباں گو ہے شکوہ سنج
باطن ہے انقیاد جو ظاہر ملال ہے
الحاق سے کچھ اور نہ تھا ادّعائے خاص،
بس اک عموم درس وفا کا خیال ہے،
یعنی کہ پھیل کر یہ زمانے کو گھیر لے
اتنک جو مختصر یہ علی گڈھ کا جال ہے
یہ پالسی ہے شاہرۂ عام قوم کی،
اس سے کوئی الگ ہے تو وہ خال خال ہے
پھر بھی حضور کی نہ گئیں سرگرانیاں
پھر بھی گناہگار مرا بال بال ہے
اتنی سی آرزو بھی پذیرا نہ ہو سکی
اب کیا کہیں کہ اور بھی کچھ عرضِ حال ہے
سنتے رہے وہ غور سے یہ داستانِ غم
جب ختم ہو گئی تو یہ لب پر مقال ہے،
حد سے اگر بڑھے گا تو ہو جائے گا مَسَہ

"وہ درسگاہ روئے وفا کا جو خال ہے"

یونیورسٹی

مایوس گو ترقیِ قومی سے ہیں نہیں،
لیکن ابھی تلک تو یہ سودائے خام ہے،
رائیں تمام کج ہیں، خیالات سب غلط
گم کردۂ نجات ہر اک خاص و عام ہے،
یہ تیس لاکھ قوم نے جو کر دئے عطا
بے شبہ عزم و ہمت عالی کا کام ہے
لیکن یہ گفتگو جو نئی چھڑ گئی ہے اب
یہ باعثِ تباہیِ ناموس و نام ہے
الحاق کی جو شرط نہ منظور ہو سکی
اک غلغلہ ہے شور ہے غوغائے عام ہے
لبریز ہے تصورِ باطل سے ہر دماغ
ہر سینہ عرصہ گاہ ہوسہائے خام ہے

اب اس طرح سے چلتی ہے اک ایک کی زباں
گویا کہ ذوالفقار علی بے نیام ہے

دو کوڑیاں بھی جس نے نہ دیں آجتک کبھی
اُس کی بھی نیند جوشِ جنوں میں حرام ہے

اک غلغلہ بپا ہے کہ الحاق جب نہیں
پھر کس بنا پہ جامعۂ قوم نام ہے

اسلام کے جو نام سے بھی متہم نہیں
اس کو تو دُور ہی سے ہمارا سلام ہے

مسلم نہیں تو جامعۂ قوم بھی نہیں
پھر کیوں یہ شور غلغلہ و اہتمام ہے

چندے لئے گئے تھے۔ اسی شرط پر تمام
یہ نقض عہد ہے کہ جو شرعاً حرام ہے

یہ درسگاہ خاص نہ تھا بدعائے عام
یہ وہ متاع ہے نہیں جس کا یہ دام ہے

اِن ابلہانِ قوم کو سمجھائے یہ کوئی،
عالم کے کار و بار کا اک انتظام ہے،
جس کی بنا تمام ہے تقسیم کار پر
یعنی ہر ایک شخص کا اک خاص کام ہے
عالم میں ہیں ہر اک کے فرائض جدا جدا
یہ مسئلہ مسلّمۂ خاص و عام ہے،
ہے مقتدی کا فرض فقط امتثال امر
ارشاد و حکم منصب خاص امام ہے
تھا قوم کا جو فرض وہ تھا بس عطائے زر
آگے مقدسین علی گڈھ کا کام ہے،
یہ بارگاہ خاص نہیں مجلسِ عوام
سمعاً وطاعۃً یہ ادب کا مقام ہے
مخصوص ہیں مناصب خاصانِ بارگاہ
تم کون ہو جو تم کو یہ سودائے خام ہے؟

یونیورسٹی فنڈ لیشن

یہ فیض ہے جماعتِ احرار کا ضرور
اب قوم کو جو شخص پرستی سے عار ہے
آزادیِ خیال کا جو کچھ کہ ہے اثر
یہ سب اُنھیں کے فیض کا منت گذار ہے
لیکن یہ دیکھنا ہے کہ یہ عزم یہ ترنگ
ہے دیرپا کہ جوششِ جنونِ بہار ہے،
اب کے جو لکھنؤ میں دکھایا گیا سماں
سچ پوچھئے تو مضحکۂ روزگار ہے
دیکھا یہ پہلے دن کہ ہر اک گوشۂ بساط
میدان رزم و عرصہ گہ گیر و دار ہے
غل ہے کہ وہ مقدمۃ الجیش آگیا،
اب انتظارِ فوجِ یمین و یسار ہے،
احرار کی صفوں کی صفیں ہیں جمی ہوئیں

مجلس تمام عرصہ گہ کارزار ہے
اسٹیج پر ہر ایک بپھرتا ہے اس طرح
گویا حریفِ رستم و اسفندیار ہے
ہاتھ اٹھ رہے ہیں یا علمِ فتح ہے بلند
چلتی ہوئی زبان ہے یا ذوالفقار ہے
ہر نوجواں ہے نشہ آزادگی میں مست
جو ہے وہ حریت کا سرپر خمار ہے
احرار کہ رہے ہیں نہ مانینگے ہم کبھی
وٹیو کا ویسرائے کو کیا اختیار ہے
الحاق اگر نہیں ہے تو سعی ہے عبث
مسلم کا لفظ خاص ہمارا شعار ہے
جو والیانِ ملک کہ تھے زیبِ انجمن
سب دم بخود سے تھے کہ یہ کیا خلفشار ہے
یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں
نے وہ خروش و جوش نہ وہ گیر و دار ہے

ٹوٹی ہوئی صفیں ہیں علم سرنگوں ہیں سب
بازوئے تیغ گیر جو تھا رعشہ دار ہے
"سازش کا ایک جال بچھایا ہے ہر طرف
ہر شخص اُس کی فکر میں مصروفِ کار ہے
سرمستیاں ہیں دورِ قدح ہائے راز کی
ہر شخص "حکمتِ عملی" کا شکار ہے،
جو بات کل تلک سببِ ننگ و عار تھی،
وہ آج مایۂ شرف و افتخار ہے
جس بات پر کہ نعرۂ نفریں بلند تھے
اب وہ قبولِ خاطرِ ہر ذی وقار ہے،
کل کہہ چکے ہیں کیا؟ یہ نہیں اب کسی کو یاد
اب نکتہ ہائے زیر لبی پر مدار ہے،
خود آپ اپنے ہاتھ سے کھائی ہے گو شکست
کہتے ہیں پھر یہ فتح مبیں یادگار ہے،
حیران تھے عوام کہ کیا ماجرا ہے یہ

یہ کیا دورنگی چمن روزگار ہے،
"احرار کا طریق عمل ہے اگر یہی
پھر کامیابیوں کا عبث انتظار ہے

دعوتِ عمل

بجا ہے آج اگر اس بزم میں یہ زیب وساماں ہیں
یہ انکی بزم ہے جو یادگار نسل عدناں ہیں،
خلیل اللہ سے مہماں نوازی جنکو پہونچی ہے
ہزاروں کوس سے آ آکے وہ اس گھر میں مہماں ہیں
فقط اک جذبۂ قومی انہیں واں کھینچ لایا ہے،
جہاں زور حکومت ہے نہ حاجب ہیں نہ درباں ہیں
ہماری خدمتوں کا وہ اٹھاتے آئے ہیں احساں
کہ اسلامی جماعت پر ہزاروں جنکے احساں ہیں
ہنر میں علم میں اخلاق میں مجد اور شرافت میں
یہی وہ صورتیں ہیں جنپہ ہم تم آج نازاں ہیں،

خدا نے انکو بخشی ہے حکومت اور سطوت بھی
کہ جسم سلطنت کے یہ جوارح اور ارکاں ہیں
مگر ان کو کسی عزت پہ نازش ہی تو اسپر ہے
کہ یہ اسلام کے ہیں نام لیوا اور مسلماں ہیں
نہ عہدوں کا تفاوت ہے نہ کچھ حفظ مراتب ہے
یہاں جس سادگی سے یہ شریک بزم اخواں ہیں
معمر بھی ہیں ان میں نوجواں بھی اور کمسن بھی
مگر شانِ اخوّت میں مدارج سب کے یکساں ہیں
یہ وہ ہیں جنمیں ہے اسلام کا ابتک اثر باقی
یہ وہ ہیں جن میں جو ہر نسل عدنانی کے پنہاں ہیں
انھیں کے بازوؤں میں زور تھا کشور ستانی کا
انھیں کی یادگاریں جابجا ابتک نمایاں ہیں
یہ وہ ہیں جان و دل سے جو فدائے قوم و ملت ہیں
یہ وہ ہیں نام پر اسلام کے جو دل سے قرباں ہیں

مله یہ نظم باجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ۱۸۹۳ء پڑھی گئی تھی۔

نہ ہوگا ایک بھی دل درد قومی سے جو خالی ہو،
بظاہر گرچہ سب مسرور ہیں خرّم ہیں شاداں ہیں
انھیں احساس ہو آئین وملت کی تباہی کا
یہ واقف ہیں کہ بیڑے قوم کا اب غرق طوفاں ہیں
انھیں معلوم ہو جس تاک میں ہو گردشِ گردوں
انھیں محسوس ہو جس گھات میں ایّام دوراں ہیں
خبر ہے ان کو جس آزار میں چھوٹا بڑا ہے اب
یہ واقف ہیں کہ پہلے قوم کیا تھی اور کیا ہو اب
علاج اپنا ہم اب تک تو سمجھتے تھے کہ آساں ہو
مگر وہ درد نکلا جس کو ہم سمجھے تھے درماں ہو
دوا ہر بار جب اپنا اثر الٹا ہی دکھلائے
تو بس سمجھو کہ اب بیمار کوئی دم کا مہماں ہے
جو سچ پوچھو تو ہے اسلامیوں کی بس یہی حالت
مرض دونا بڑھا دیتی ہو خود وہ شے جو درماں ہو
سلف کا تذکرہ جو ہمت وغیرت کا ہو افسوں

ہمارے حق میں وہ سرمایۂ خواب پریشاں ہے
یہ افسانے بڑھاتے ہیں ہماری نیند کی شدت
یہ افسوں حق میں اپنے اور مدہوشی کا ساماں ہے
ہمیں احساس تک ہوتا نہیں اپنی تباہی کا،
کہ سب پیش نظر اسلاف کی وہ شوکت و شاں ہے
ہماری کلفتیں سب دور ہو جاتی ہیں یہ سن کر
کہ "دنیا آجتک اسلام کی ممنون احساں ہے
مزے لیتے ہیں پہروں تک کسی سے جب یہ سنتے ہیں
کہ یورپ دولت عباس کا اب تک ثنا خواں ہے
نہیں رہنے کو یاں گھر تک مگر چرچے یہ رہتے ہیں
کہ اب تک قصر حمرا قبلہ گاہ رہ نوردان ہے
ہیں خود ان پڑھ مگر اس زعم میں اتراتے پھرتے ہیں
کہ دنیا میں ہمیں سے زندہ اب تک نام یوناں ہے
نظر آتے ہیں ہم کو عیب اپنے خوبیاں بنکر
ہم اپنے جہل کو بھی یہ سمجھتے ہیں کہ عرفاں ہے

بسر ہوتی ہے گر اوقات فیاضی پہ غیروں کی
تو سمجھے ہیں کہ بس زہد اور توکل کی یہی شاں ہے

حمیت اور خودداری نہیں ہرگز طبیعت میں
تو اچھا ہے کہ مسکینی تو اول شرط ایماں ہے

طبیعت میں اگر ہیں فتنہ پردازی کے کچھ جوہر
تو دعویٰ ہے کہ تدبیر اور سیاست فرض انساں ہے

وہ قوم اور وہ جماعت جس میں یہ اخلاق محکم ہیں
بلائیں اُسپہ جو آئیں وہ کم ہیں اور بہت کم ہیں

یہ جو کچھ سن چکے ہو قوم کی تم حالتِ ابتر
نہ سمجھو یہ کہ ہے اس داستاں کا خاتمہ اس پر

ہماری سب سے بڑھ کر بد نصیبی جو ہے وہ یہ ہے
کہ بے پروا ہیں وہ بھی قوم کے جو آج ہیں لیڈر

گیا وہ وقت جب تھا بس اسی کا نام ہمدردی
کہ دو آنسو بہا لیں قوم کی درماندہ حالت پر

گیا وہ وقت ہم کو ناصحوں کی جب ضرورت تھی

فلک نے کر دیا اک اک کو آپ اپنا نصیحت گر
گئے وہ دن کہ ہم محتاج تھے عبرت دلانے کے
ہمارا حال خود عبرت فزا ہے آج سرتاسر
ضرورت اب ہی گر ہمکو تو بس ہو ان بزرگوں کی
کہ جنمیں خیر سے کچھ کر دکھانے کے بھی ہوں جوہر
فقط باتیں نہ ہوں کچھ کام بھی بن آئے ہاتھوں سے
کہیں جو کچھ وہ منہ سے کر دکھائیں اس سے کچھ بڑھکر
نہیں گر یہ تو بس اک گرمی صحبت کے ساماں ہیں
یہ قومی مرثیے یہ وعظ یہ اسپیچ یہ لکچر
طلب اور سعی سے کچھ کام بن آئے تو بن آئے
فصاحت اور بلاغت کا بس اب چلتا نہیں منتر
تمھیں جو کام ہیں درپیش گو مشکل سہی مشکل ہیں
مگر کرنے پہ آجاؤ تو آساں سے ہیں آساں تر
ابھی تک تم میں ہی اسلاف کا کچھ کچھ اثر باقی،
شرر گو بجھ چکے پر گرم ہے اب تک وہ خاکستر

ابھی کچھ کچھ مہک باقی ہے اُن مرجھائے پھولوں میں
ابھی کچھ کاٹ ہے اس تیغ میں گو مٹ چکے جوہر

وہی فیاضیاں تم میں ہیں جو تھیں معنِ زائدہ میں
مگر بیہودہ رسموں کے لئے وہ وقف ہیں یکسر

کچھ اس سے کم ہوا تھا صرف تجہیزِ اسامہ میں
لٹا دیتے ہو تقریبوں میں جتنا تم زر و زیور

فقط آپس کے جھگڑوں میں تم اس سے کام لیتے ہو
وہ جودت اور ذہانت جس میں اب بھی تم ہو نام آور

سنبھلنا اب بھی گر چاہو تو ہے وقت اور فرصت بھی
وگرنہ پھر نہیں رہنے کی جو کچھ ہے یہ حالت بھی

بربادیٔ خانماں

وہ برادر کہ مرا یوسفِ کنعانی تھا
وہ جو مجموعۂ ہر خوبیٔ انسانی تھا

وہ جو گھر بھر کے لئے رحمتِ یزدانی تھا
قوّتِ دست و دلِ شبلی نعمانی تھا
بل اسی کا یہ مرے خامۂ پُر زور میں تھا،
جوش اسی کا تھا جو میرے سرِ پُرشور میں تھا
ہم سے بیکاروں کی اک قوّتِ عامل تھا وہی
مایۂ عزّتِ اجداد کا حامل تھا وہی،
مسندِ والدِ مرحوم کے قابل تھا وہی،
یوں تو سب اور بھی اعضا ہیں مگر دل تھا وہی
اب وہ مجموعۂ اخلاق کہاں سے لاؤں
ہائے افسوس میں اسحٰق کہاں سے لاؤں
جب کیا والدِ مرحوم نے دنیا سے سفر
گھر کا گھر تھا ہدفِ ناوکِ صد گونہ خطر
بن گیا آپ اکیلا وہ سرِ آفت میں سپر
تیر جو آئے گیا آپ وہ اُن کی زد پر
خود گرفتار رہا۔ تاکہ میں آزاد رہوں

اس نے غم اس لئے کھائے تھے کہ میں شاد رہوں
اس کا صدقہ تھا کہ ہر طرح سے تھا میں بے غم
گھر کے جھگڑوں سے نہ کچھ فکر نہ کچھ رنج و الم
امن و راحت کے جو سامان تھے ہر طرح بہم
میں تھا اور مشغلۂ نامہ و قرطاس و قلم
اس کے صدقہ سے تھی میری سخن آرائی بھی
اس کا ممنوں تھا مرا گوشۂ تنہائی بھی
تازہ تھا دل یہ مرے مہدیٔ مرحوم کا داغ
کہ مرا قوت بازو تھا، مرا چشم و چراغ
اس کو جنت میں جو خالق نے دیا کنج فراغ
میں یہ کہتا تھا کہ اب بھی ہے تر و تازہ دماغ
یعنی وہ آئنۂ خوبی و اخلاق تو ہے
اٹھ گیا مہدیٔ مرحوم تو اسحٰق تو ہے
آج افسوس کہ وہ نیر تاباں بھی گیا
میری جمعیت خاطر کا وہ ساماں بھی گیا

اب وہ شیرازۂ اوراقِ پریشاں بھی گیا
عتبۂ والدِ مرحوم کا درباں بھی گیا
گلۂ خوبیٔ تقدیر رہا جاتا ہے،
نوجواں جاتے ہیں اور پیر رہا جاتا ہے
تجھ کو اے خاکِ لحد آج اجل نے سونپی
وہ امانت جو مرے والدِ مرحوم کی تھی
بسکہ فطرت میں ودیعت تھی نفاست طلبی،
نازپروردۂ نعمت تھا یہ اِک سادہ وشی
دیکھنا اڑ کے غبار آئے نہ دامن پہ کہیں
گرد پڑ جائے نہ اُس عارضِ روشن پہ کہیں
اس کے اخلاق کھٹک جاتے ہیں دل میں ہر بار
وہ شکر ریز تبسم وہ متانت وہ وقار
وہ اوقا کیشیٔ احباب وہ مردانہ شعار
وہ دل آویزیٔ خو وہ نگہِ الفت بار
صحبتِ رنج بھی اک لطف سی کٹ جاتی تھی

اُس کی ابرو پہ شکن آکے پلٹ جاتی تھی

حق نے کی تھی کرم و لطف سے اُس کی تخمیر
خوبیِ خلق و تواضع میں نہ تھا اُس کا نظیر
بات جو کہتا تھا ہوتی تھی وہ پتھر کی لکیر
اس کی اک ذات تھی مجموعۂ اوصافِ کثیر
بسکہ خوش طبع بھی تھا صاحبِ تدبیر بھی تھا
سچ تو یہ ہے کہ وہ نوخیز بھی تھا پیر بھی تھا

اس کو شہرت طلبی سے کبھی کچھ کام نہ تھا
وہ گرفتار کمندِ ہوس دام نہ تھا
اس کی ہر بات میں اک لطف تھا ابرام نہ تھا
وہ کبھی مدعیِ رہبریِ عام نہ تھا
اُس کو مطلوب کبھی گرمیِ بازار نہ تھی
اُس کی جو بات تھی کردار تھی گفتار نہ تھی

اُس کو معلوم جو تھا وسعتِ تعلیم کا راز
اس نے دیکھے تھے جو منزل کے نشیب اور فراز

اس نے یہ کام نئی طرح کیا تھا آغاز
مگر افسوس کہ تھا راہ میں رخش تگ و تاز
کوششوں کے جو نتیجے تھے اُسے مل نہ سکے
ہائے وہ پھول کہ پھولے تھے، مگر کھل نہ سکے
آہ بھائی ترے مرنیکے تھے یہ بھی کوئی دن؟
وہ ترا جوشِ شباب اور وہ بچے کمسن
مسندِ حلقۂ احباب ہے سونی، تجھ بن!
تو ہی تھا اب خلفِ صدر نشینانِ مُسن
دن جب آئے کہ تجھے رہبرِ جمہور کہوں
چرخ کا مجھ سے تقاضہ ہے کہ مغفور کہوں
یہ بھی اے جانِ برادر کوئی جانیکا ہے طور؟
اپنے بچوں کی نہ کچھ فکر نہ تدبیر نہ غور
ابھی آنے بھی نہ پایا تھا ترے اوج کا دور
کیا ہوا تجھ کو کہ تو ہو گیا کچھ اور سے اور
چھوڑ کر بچوں کو بے صبر و سکون جاتا ہے

کوئی جاتا ہے جو دنیا سے تو یوں جاتا ہے
آہ اے مرگ کسی شے کی نہیں تجھ کو تمیز
تیری نظروں میں برابر ہیں گہر اور پشیز
میں نے مانا ترے نزدیک نہ تھا وہ کوئی چیز
رحم کرنا تھا کہ چھوڑے ہیں کئی اس نے عزیز
لاڈلے ہیں کہ کسی اور کے بس کے بھی نہیں
اس کے بچے ابھی سات آٹھ برس کے بھی نہیں
اے خدا شبلی دلخستہ بایں موئے سفید
لیکے آیا ہے تری درگہہ عالی میں امید
مرنے[1] والے کو نجات ابدی کی ہو نوید!
خوش و خرم رہے یہ چھوٹا مرا بھائی جنید
کیا لکھوں قصہ غم تاب رقم بھی تو نہیں
اب مرے خامۂ پرزور میں دم بھی تو نہیں

[1] مرثیہ بر وفات مولوی محمد اسحاق برادر حقیقی ۔

غزلیات

اثر کے پیچھے دلِ حزیں نے نشان چھوڑا نہ پھر کہیں کا
گئے ہیں نالے جو سوئے گردوں تو اشک نے رخ کیا زمیں کا

بھلی تھی تقدیر یا بُری تھی یہ راز کس طرح سے عیاں ہو
بتوں کو سجدے کئے ہیں اتنے کہ مٹ گیا سب لکھا جبیں کا

وہی لڑکپن کی شوخیاں ہیں وہ اگلی ہی سی شرارتیں ہیں
سیانے ہونگے تو ہاں بھی ہوگی ابھی تو سن ہی نہیں نہیں کا

یہ نظم آئیں یہ طرز بندش سخنوری ہے فسوں گری ہے
کہ ریختہ میں بھی تیرے **شبلی** مزہ ہے طرز علی حزیں کا

تیر قاتل کا یہ احساں رہگیا — جائے دل سینہ میں پیکاں رہگیا
کی ذرا دست جنوں نے کوتہی — چاک اگر تا بداماں رہگیا
دو قدم چلکر ترے وحشی کے ساتھ — جادۂ راہ بیاباں رہگیا
قتل ہوکر بھی سبکدوشی کہاں — تیغ کا گردن پہ احساں رہگیا
ہم تو پہونچے بزم جاناں تک مگر — شکوۂ بیداد درباں رہگیا

کیا قیامت ہے کہ کوئے یار سے
ہم تو نکلے اور ارماں رہ گیا

دوسروں پر کیا کھلے راز دہن
جبکہ خود صانع سے پنہاں رہ گیا

جذبۂ دل کا ذرا دیکھو اثر
تیر نکلا بھی تو پیکاں رہ گیا

جامۂ ہستی بھی اب تن پر نہیں
دیکھ وحشی نیر اعریاں رہ گیا

ضعف مرنے بھی نہیں دیتا مجھے
میں اجل سے بھی تو پنہاں رہ گیا

اے جنوں تجھ سے تو سمجھوں گا اگر
ایک بھی تار گریباں رہ گیا

حسن چمکا یار کا اب آفتاب
اک چراغ زیر داماں رہ گیا

لوگ پہونچے منزل مقصود تک
میں جرس کی طرح نالاں رہ گیا

بزم میں ہر سادہ تیرے حضور
صورت آئینہ حیراں رہ گیا

یاد رکھنا دوستو اس بزم میں
آکے شبلی بھی غزلخواں رہ گیا

پوچھتے کیا ہو جو حال شب تنہائی تھا
رخصت صبر تھی یا ترک شکیبائی تھا

شب فرقت میں دل غمزدہ بھی پاس نہ تھا
وہ بھی کیا رات تھی کیا عالم تنہائی تھا

میں تھا یا دیدۂ خونناب فشاں تھی شب ہجر
ان کو واں مشغلۂ انجمن آرائی تھا

پارہ ہائے دل خونیں کی طلب تھی پیہم
شب جو آنکھوں کو مرے ذوق خود آرائی تھا

رحم تو ایکطرف پایہ شناسی دیکھو
آنکھیں قاتل سے ہی پر زندہ جو کرتا ہو تو
خون فرہاد لب جو ہی قدم میں چھپا لیے
دشمن جاں تھی ادھر ہجر میں درد و غم و رنج
انگلیاں اٹھی تھیں مژگاں کی اسی بے رحم
کون اس راہ سے گذرا ہے کہ ہر نقش قدم
خوب وقت آئے نکیرین جزا دیگا خدا

قیس کو کہتے ہیں مجنوں تھا صحرائی تھا
لب ہیں لیکن تو اعجاز مسیحائی تھا
یاں وہی حوصلہ بادیہ پیمائی تھا
اور ادھر ایک اکیلا ترا شیدائی تھا
جس طرف زمزمہ میں کا فرترسائی تھا
چشم عاشق کی طرح اس کا تماشائی تھا
لحد تیرہ میں کیا عالم تنہائی تھا

ہم نے بھی حضرت شبلی کی زیارت کی تھی
یوں تو ظاہر میں مقدس تھا پہ شیدائی تھا

قیس دن کیلئے ترک مے و ساقی کر لوں
پھینک دینے کی کوئی چیز نہیں فضل کرم
اپنے نکیرین قیامت سے یہ رکھو پرسش
کچھ تو ہو چارۂ غم بات تو ٹھیک ہو جائے
اور پھر کسکو پسند آئیگا ویرانۂ دل
جور گردوں سے جو مرنے کی بھی فرصت مل جائے

واعظ سادہ کو روزہ و میں تو راضی کر لوں
ورنہ حاسد کی خاطر سے میں بھی کر لوں
میں ذرا عمر گذشتہ کی تلافی کر لوں
تم خفا ہو تو ابھی ہی کو میں راضی کر لوں
غم سے مانا بھی کہ اس گھر کو میں خالی کر لوں
امتحان دم جاں بخش پر عیسی کر لوں

دل ہی ملتا نہیں سفلوں سے وگرنہ شبلی
خوب گذرے فلک دوں سے جو یاری کر لوں

کچھ اکیلی نہیں میری قسمت
غم کو بھی ساتھ لگا لائی ہے

منتظر دیر سے تھے ہم جسکے
اب جو تشریف صبا لائی ہے

نکہت زلف غبار رہ دوست
آخر اس کوچہ سے کیا لائی ہے

موت بھی روٹھ گئی تھی مجھ سے
یہ شب ہجر منا لائی ہے

مجھکو لیجا کے مری آنکھ وہاں
اک تماشا سا دکھا لائی ہے

آہ کو سوئے اثر بھیجا تھا
واں سے کیا جانئے کیا لائی ہے

شبلی زار سے کہدے کوئی
مژدۂ وصل صبا لائی ہے

ناتواں عشق نے آخر کیا ایسا ہم کو
غم اٹھانے کا بھی باقی نہیں یارا ہم کو

درد فرقت سے ترے ضعف ہے ایسا ہم کو
خواب میں بھی ترے دشوار ہے آنا ہم کو

جوش وحشت میں ہمیں کیا کوئی بھاتا گھر بار
بس کفایت ہے جنوں دامن صحرا ہم کو

رہبری کی ہے مرے یار کی جانب خط نے
خضر نے چشمۂ حیواں ہے دکھایا ہم کو

دل گرا اس کے زنخداں میں فریب خط سے
چاہ حسن لب تقاضے والے نہ سوجھا ہم کو

واہ کاہیدگیِ جسم بھی کیا کام آئی
بزم میں بھی یہ رقیبوں نے نہ دیکھا ہم کو

قالبِ جسم میں جاں آگئی گویا شبلی
معجزہ فکر نے اپنی یہ دکھایا ہم کو

یار کو رغبتِ اغیار نہ ہونے پائے
گلِ تر کو ہوسِ خار نہ ہونے پائے

اسمیں در پردہ سمجھتے ہیں وہ اپنا ہی گلہ
شکوۂ چرخ بھی زنہار نہ ہونے پائے

فتنۂ حشر جو آنا تو دبے پاؤں ذرا
بختِ خفتہ مرا بیدار نہ ہونے پائے

ہائے دل کھول کے کچھ کہہ نہ سکے سوزِ دل
آبلے ہم سخنِ خار نہ ہونے پائے

چپکے وہ آتے ہیں گلگشت کو ای بادِ صبا
سبزۂ باغ بھی بیدار نہ ہونے پائے

پھر کہیں جوش میں آجائیں نہ یہ دیدۂ تر
سامنے ابرِ گہربار نہ ہونے پائے

باغ کی سیر کو جاتے تو ہو پر یاد رہے
سبزہ بیگانہ ہے دوچار نہ ہونے پائے

جمع کر لیجیے غمزوں کو مگر خوبیِ بزم
بس ہیں تنگ ہو کہ بازار نہ ہونے پائے

اب جاتے تو ہیں اس بزم میں لیکن شبلی
حالِ دل دیکھیے اظہار نہ ہونے پائے

متفرقات

اک شہر میں کہ پایۂ تخت قدیم ہے
پچھلے پہر سے آج عجب شور و شین ہے

دیوار و در سے تہنیت فتح ہے بلند
غل ہے کہ آج عیش ہو راحت ہو چین ہے

پرچم ہیں بیرقین ہیں علم ہیں نشان ہیں
گویا کہ وقت برہمی مشرقین ہے

مسند نشین ہے تخت حکومت پہ جلوہ گر
دربار ہے کہ جلوہ گہ زیب و زین ہے

ہیں بیحجاب یہ وگیان حریم قدس
جن کی زباں پہ شور ہے نوحہ ہے بین ہے

تاکید اُن سے ہے کہ ادب سے کھڑی رہیں
یعنی کہ احترام شہی فرض عین ہے

بکھرتا جاتا ہے شیرازہ اوراق اسلامی

چھینٹیگی تند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کبتک
حریفوں کو گلہ ہے آسماں سے خشک سالی کا
ہم اپنے خون سی سینچینگے اُنکی کھیتیاں کبتک
جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو اب شبلی کہاں جائیں
کہ اب امن و امان شام و نجد و قیرواں کب تک

نوجوانوں سی خطاب

کئے تھے ہم نے بھی کچھ کام جو کچھ ہم سے بن آئے
یہ قصہ جب کا ہے باقی تھا جب عہدِ شباب اپنا
اور اب تو سچ یہ ہے جو کچھ امیدیں ہیں وہ ہیں تم سی
جواں ہو تم لبِ بام آچکا ہے آفتاب اپنا

بجواب رقعہ اکبر الہ آبادی

آج دعوت میں نہ آنے کا مجھے بھی ہو ملال
لیکن اسباب کچھ ایسے ہیں کہ مجبور ہوں میں
آپ کے لطف و کرم کا مجھے انکار نہیں
حلقہ در گوش ہوں ممنون ہوں مشکور بھی ہیں

لیکن اب میں وہ نہیں ہوں کہ پڑا پھرتا تھا
اب تو اللہ کے افضال سے تیمور ہوں میں
دل کے بہلانے کی باتیں ہیں یہ شبلی ورنہ
جیتے جی مردہ ہوں مرحوم ہوں مغفور ہوں میں

سیرۃ نبوی

مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں بہر صورت
کہ ابر فیض سلطان جہاں بیگم زرافشاں ہے
رہی تالیف و تنقید روایتہائے تاریخی
تو اس کے واسطے حاضر مرا دل ہے مری جاں ہے
غرض دو ہاتھ ہیں اس کام کے انجام میں شامل
کہ جسمیں اک فقیر بینوا ہے ایک سلطاں ہے

نالۂ شبلی

بر وفات برادر خورد مولوی محمد اسحٰق وکیل

وہ بھی تھا ایکدن کہ یہ وحشت سرائے دل
رنگینیٔ خیال سے لبریز تھا دماغ،
سینہ میں تھا چمن کدۂ صد امید تو
اک ایک برگ تھا ورقِ نو بہارِ حسن

اک مختصر نشاط و وفورِ سرور تھا
جو شعر تھا چراغِ شبستانِ حور تھا
آنکھوں میں کیف بادۂ ناز و غرور تھا
نور دل ہمیشہ رخ پہ صبح سعادت کا نور تھا

نظر آتا نہیں اب صبر کا پہلو مجھ کو
شہر ویرانہ نظر آتا ہے ہر سو مجھ کو

کام دیتے نہیں کچھ قوت بازو مجھ کو
ہائے افسوس کہاں چھوڑ گیا تو مجھ کو

جب وہ گنجینۂ امید و تمنا نہ رہا
ایک بیکار زمانہ میں رہا یا نہ رہا

انتقال پدر پیر بھی دیکھا میں نے
صدمۂ رحلت ہمشیر بھی دیکھا میں نے

ماتم مادرِ دلگیر بھی دیکھا میں نے
دو برادر کو جواں مرگ بھی دیکھا میں نے

یہ نمائش کدۂ باغِ عزیزاں تو نہیں
میرا سینہ ہے الٰہی یہ چراغاں تو نہیں

شبلی

رُباعیاتِ سرمد

...د شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ڈیڑھ سو کچھ اوپر رباعیں جو نہایت محنت اور تلاش سے
...یاب ہوئی ہیں مع انکے حالاتِ زندگی کے بڑے اہتمام اور خوبی سے بہ قلم
خوشخط ۔ سفید ۔ چکنے ۔ دبیز کاغذ پر چھپ گئی ہیں ۔ تصوف کی لئے ان پُر معنیٰ
...توں کی جان ہے ۔ ضخامت ۱۶۰ صفحہ ۔ سائز چھوٹا نہایت موزون ۔ فی صفحہ
...ت باعی لکھی گئی ہے ۔ جلد خوبصورت سنہری بنھوائی گئی ہے ۔ قیمت مجلد ۶؍ ÷

رُباعیاتِ اُردو

...ی مجموعہ میں میر انیس ۔ مرزا دبیر ۔ مولینا حالی اور حضرت اکبر کی چیدہ چیدہ اُردو
...عیئیں درج ہیں ۔ یہ اصحاب صنفِ رباعی میں نامور اور اُستاد مانے گئے ہیں
...ن رباعیات کا انتخاب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی
...سٹر ایٹ لا نے کیا ہے ۔ یہ انتخاب موجودہ زمانہ کے مذاق کے موافق ہے ۔
...صفحہ ایک رُباعی لکھی گئی ہے ۔ پاکٹ سائز ۔ خوبصورت جلد کے باوجود قیمت ۱۴؍ ÷

ملنے کا پتہ :۔ مینجر مرغوب ایجنسی لاہور (چوک متی)

کلامِ نیرنگ

کا

دوسرا ایڈیشن

سیّد غلام بھیک صاحب نیرنگ بی۔اے انبالہ کا کلام جو رسالہ مخزن لاہور میں وقتاً فوقتاً چھپتا رہا عرصہ ہوا کہ ایک مجموعہ کی صورت میں دفترِ مخزن سے شایع ہوا تھا۔ وہ ایڈیشن ختم ہو جانے پر دوسرے ایڈیشن کی ضرورت پڑی۔ اِس لئے جناب سیّد صاحب ممدوح کو موصوف سے بحیثیت مصنّف ہونے کی باقاعدہ اجازت لیکر اب دوسرا ایڈیشن مقبولِ عام تقطیع پر نہایت خوشخط عمدہ سفید ایوری فنش کاغذ لگا کر چھاپا گیا ہی۔ اِس دوسرے ایڈیشن میں اور بھی چند ایک نظمیں (جو پہلے ایڈیشن میں نہیں ہیں) اضافہ ہوئی ہیں۔ نئی بات یہ بھی ہی کہ مصنّف کا فوٹو بھی دیا گیا ہی نیز مصنّف کی نظرِ ثانی ہو کر یہ مجموعہ چھپا ہی۔ **قیمت** علاوہ محصول ڈاک ۱۰/ ہے ÷

ملنے کا پتہ **مرغوب ایجنسی لاہور**

PK
2199
S5A17
1920